دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدّث بنارس

جلد: ۳۷
شمارہ: ۴

شعبان المعظم
۱۴۴۰ھ
اپریل ۲۰۱۹ء

اس شمارہ میں

۱۔محمد رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲۔خیر و برکت کا مہینہ: ماہ رمضان	مولانا عبدالمتین مدنی	۶
۳۔اپنی بات	مدیر	۸
۴۔قرآن مجید کی تعظیم اور.....	رفیق احمد رئیس سلفی	۱۱
۵۔واضحات	ابوالفارق شجاع الدین	۱۷
۶۔رمضان کا استقبال کیسے کریں؟	مقبول احمد سلفی	۳۰
۷۔اسلام میں دہشت گردی کا کوئی...	عبیداللہ بن شفیق الرحمن اعظمی	۳۵
۸۔جمال سخن	ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری	۳۶
۹۔معاشرے میں علوم اسلامیہ....	اعجاز الحق انوار الحق	۳۹
۱۰۔اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۱۔باب الفتاوی	دار الافتاء	۴۷

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد اسلم مبارک پوری

نائب مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

معاون مدیر
مولانا محمد ایوب سلفی

مجلس مشاورت

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا علی حسین سلفی
مولانا رفیق احمد رئیس سلفی
ڈاکٹر عبدالصبور مدنی

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/c No. 2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547, SWIFT Code: ALLAINBBVAR

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	250	روپے
بیرون ممالک:	50	ڈالر
فی شمارہ:	25	روپے

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

محمد رسول اللہ ﷺ کی قدر ومنزلت

[وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ] (سورہ شرح:۴) اور ہم نے تیرا ذکر بلند کردیا

عبداللہ سعود سلفی

یہ خالق کائنات اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ (اے محمد ﷺ) ہم نے تیرا ذکر بلند کردیا۔

(۱) محمد رسول ﷺ کی شان سب لوگوں سے بلند ہے۔ کیا انبیاء ورسل، حکمراں وبادشاہ، مؤرخین وسیاح، مجددین وسائنس داں، تاریخ کی عظیم عظیم ہستیاں محمد ﷺ فداہ أبي وأمي کے مقام کو چھونہیں سکتیں۔ جس عزت وعقیدت کے ساتھ محمد ﷺ کی رسالت کا اعلان دنیا کے ہرگوشہ میں رات ودن کے ہر پل میں ہوتا ہے وہ آپ ہی کی ذات کے ساتھ خاص اور آپ کی رسالت کی گواہی کے لیے کافی ہے۔

"أشهد أن محمدا رسول الله" میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہ جملہ ہر اذان میں پکارا جاتا ہے۔ اگر سورج کی رفتار کے ساتھ اذان کے اوقات پر غور کریں تو چوبیس گھنٹوں میں شاید ہی کوئی لمحہ خالی جاتا ہو جس وقت دنیا کے کسی حصہ میں اذان نہ ہوتی ہو۔ اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا نام نامی نہ پکارا جاتا ہو۔

(۲) محمد ﷺ کی اعلی قدر ومنزلت میں معراج کا تاریخی سفر ایک اہم سبق آموز واقعہ اور اللہ کی قدرت کی نشانی ہے، جس میں اللہ تعالی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں سے بھی اوپر کی سیر کرائی اور اپنی قدرت کے نظارے دکھائے۔ یہ عالم کتنا وسیع ہے۔ اب تک کی سائنسی تحقیقات اس کا ادراک نہ کرسکی ہے۔ ہرنئی تحقیق حیران کن ثابت ہورہی ہے۔ اربوں، کھربوں کیلومیٹر سے آگے بھی سیارے موجود ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: [وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ] (ذاریات: ۱۷) "آسمان کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا ہے اور یقیناً ہم وسعت دینے والے ہیں" اور سورہ ملک: ۵ میں فرمایا: [وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ] "اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا"۔ ستارے کتنی بلندی تک موجود ہیں، جدید تحقیقات دنیا کی وسعت کے لیے حیران کن ہیں اور ہرنئی کھوج میں مزید وسعت اور نئے ستارے نظر آتے ہیں۔

محمد ﷺ کو اللہ نے اپنے برگزیدہ فرشتہ کے ساتھ آسمانوں کی سیر کرائی۔ اس آسمان دنیا سے آگے ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر لے جاکر اپنی قدرت کے نظاروں کا مشاہدہ کرایا اور ایک ہی رات میں زمین پر واپس پہنچایا۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی ایک سورۃ الاسراء میں موجود ہے۔

[سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ] (سورۃ الاسراء:۱) ''پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے''۔

محمد ﷺ آسمان کی سیر یعنی معراج سے لوٹنے کے بعد مکہ والوں سے اس واقعہ کو بیان فرمایا اور بیت المقدس کی زیارت کا ذکر کیا تو اولین مرحلہ میں ان لوگوں نے انکار کیا اور جو لوگ وہاں جا چکے تھے ان کو بلایا کہ محمد سے بیت المقدس کی زیارت کی تحقیق کے لیے وہاں کے بارے میں سوال کریں۔ آپ نے ان کے سوالوں کا جواب دیا اور آپ کا ہر جواب مشاہدین کے لیے سچ نکلا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل پوری تحقیق کے ساتھ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

۳۔ محمد ﷺ انسانیت کے لیے رحمت ہیں۔

انسانوں کی تاریخ میں بہت سے پیغمبر ورسول گذرے ہیں جن کو اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے اور ان کو ظلم وناانصافی سے روکنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ مگر ان کی قوم نے ان کا انکار کیا اور ان کا مذاق اڑایا۔ جب ان رسولوں پر ایمان نہیں لائے اور ان کا مذاق اڑایا۔ تو اللہ نے ان پر عذاب بھیجا اور وہ قومیں ہلاک کردی گئیں۔ ان کے آثار آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔

قرآن میں اللہ نے بیان فرمایا: [وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُواْ مِنْهُم مَّا كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِؤُونَ. قُلْ سِيرُواْ فِي الأَرْضِ ثُمَّ انظُرُواْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ] (سورہ انعام: ۱۰۔۱۱) ''اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں، ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے ان سے مذاق کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ ان سے کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا''۔

مگر محمد ﷺ کو اللہ نے وہ بلند وعظیم مقام عطا فرمایا کہ آپ کی ذات کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا دیا۔ اور فرمایا کہ جب تک آپ کی ذات موجود ہے عذاب نہیں آئے گا۔ اسی طرح جب تک اس دنیا میں لوگ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اللہ سے رجوع کرتے رہیں گے اور اپنے گناہوں سے معافی مانگتے رہیں گے اللہ عذاب نہیں بھیجے گا۔

[وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ] (انفال: ۳۳) ''اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔ اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار کرتے رہے ہوں گے''۔

اور فرمایا: [وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ] (سورہ انبیاء: ۱۰۷) (اے محمد) ''ہم نے

آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

محمد ﷺ درحقیقت دنیا والوں کے لیے اللہ کی رحمت ہیں۔ اور آپ کو ''رحمۃ للعالمین'' کے لقب سے پکارا گیا ہے۔

(۴) کسی کی قدر و منزلت کو جاننے کے لیے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دنیا میں بسنے والے انسانوں کے درمیان اس کی تعلیم کا کیا اثر رہا۔ کیا وہ شخصیت کسی خاص علاقہ یا کسی خاص زمانہ کے لیے ہی مؤثر رہی یا اس کی شخصیت اور اس کی تعلیمات کا اثر، دیرپا، وسیع اور ہمہ گیر رہا ہے۔

محمد ﷺ کی ذات بابرکات کے حالات زندگی اور آپ کی تعلیم کے اثر انگیزی کا انصاف وایمانداری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اس بات کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تذبذب اور شک نہیں ہوگا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی شخصیت ہر دو ناحیے سے پوری انسانی تاریخ میں سب سے اعلی و بلند مقام پر فائز ہے۔

آپ ﷺ کے حالات زندگی پر جس تحقیق و باریک بینی کے ساتھ ہزاروں سیرت نگاروں نے کتابیں لکھی ہیں، ایسا اہتمام دنیا کے کسی دوسری شخصیت کی تاریخ و سیرت نگاری میں نظر نہیں آتا۔ شاید ہی کوئی زبان باقی ہو جس میں آپ کی سیرت پر کتاب موجود نہ ہو۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سیرت نگاری اور آپ کے فرمودات کو کتابی شکل میں جمع کرنے میں جو تحقیقی اسلوب اپنایا گیا اور آپ کی ہر بات کو جس اہتمام اور تحقیق سے جمع کیا گیا یہ آپ کی سیرت نگاری کا منفرد اور بے نظیر حصہ ہے۔ کوئی بات خیالی اور سنی سنائی اور آستھا کی بنیاد پر نہیں لکھی گئی بلکہ ہر بیان کرنے والے کے ایمان داری اور سچائی کو بھی جانچا گیا اور سند کے ساتھ آپ کے صحابہ سے نقل کیا گیا ہے جو آپ کے ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے۔ (یہ الگ بات ہے کہ قصہ گوئیوں نے کچھ باتیں آپ کی طرف منسوب کردی ہیں جن کو نقد کرنے والوں نے تحقیق کرکے ان کی حقیقت کو واضح کردیا) یعنی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی کا ہر پہلو بالکل واضح اور روشن ہے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات آج بھی پوری صداقت کے ساتھ موجود ہے، جس پر ہر زمانہ و مقام پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں اکثر و بیشتر رہنما اور تاریخ میں درج عظیم شخصیتیں دنیا کے تہذیبی مراکز میں پیدا ہوئیں اور ایسے لوگوں اور مقام میں پلے بڑھے جو عموماً اعلی تہذیب یافتہ یا سیاسی طور پر مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ مگر محمد ﷺ کی پیدائش اور تربیت مکہ شہر میں ۵۷۰ء میں ہوئی۔ یہ تب تجارت، فنون اور علم کے مراکز سے بہت دور دنیا کا دقیانوسی گوشہ تھا، اور آپ چھ برس کے تھے جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوگیا، آپ کی پرورش عام وضع پر ہوئی، آپ امی یعنی ''ان پڑھ'' تھے۔ زیادہ تر عرب بت پرست تھے۔ عرب کے قبائل بدو وتندخو جنگجوؤں کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ جزیرہ ہائے عرب کے شمال میں ساسانیوں کی ایرانی سلطنت قائم تھی۔ شمال مغرب میں مشرقی سلطنت روما تھی۔ یعنی قیصر و کسری کی زبردست حکومت تھی اور ان عرب کا اپنے

حریفوں سے کوئی جوڑ نہیں تھا۔

ایسے ماحول میں محمد ﷺ نے بحیثیت اللہ کے رسول کے تبلیغ کا آغاز کیا۔ مکہ والوں سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے۔ مکہ والوں نے مدینہ پر بھی کئی بار چڑھائی کی۔ دوسری قوموں کو بھی آپ کے خلاف کھڑا کیا۔ احد، خندق اور تبوک کے معرکے اس کے شواہد ہیں۔ ۸ھ میں فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا اور آپ نے ان مکہ والوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ سب کو معاف کرکے آزاد کردیا۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام اللہ کے رسول اور انسانیت کے رہبر ہیں۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ لوگوں کو تعلیم دیتے کہ اللہ ہی سب کا خالق ہے اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ اپنے ہاتھ سے بنائے اور تراشے ہوئے بت کی پوجا نہیں کرنی چاہیے، یہ معبود نہیں ہیں۔ آپ نے سب کو دنیا میں رہنے کے آداب واچھے اخلاق سکھائے۔ آپ کی تعلیم کا اثر تھا کہ مکہ کی بدو اور غیر مہذب قوم دنیا کی سب سے منظم اور بااخلاق قوم بن گئی اور ان صحابہ کے ذریعہ اسلام دنیا کے مختلف علاقوں تک پھیل گیا۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر وحضرت عمر ودیگر خلفاء کے زمانہ میں اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر افریقہ ویورپ تک پہنچ چکا تھا اور دنیا کی عظیم سلطنتیں قیصر وکسری اپنی عظیم فوجی طاقت کے باوجود اسلام کے پھیلاؤ کو نہ روک سکیں۔

چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا وہی اثر باقی ہے اور آج بھی دنیا کے ہر گوشہ میں نئے لوگ جوق در جوق حق کی متلاشی ہیں اسلام قبول کررہے ہیں۔ اسلام اللہ کا نازل کردہ مذہب ہے۔ جس طرح شروع میں مکہ والوں نے مخالفت کی تھی آج بھی اس کے خلاف غلط بیانی، جھوٹے الزامات، من گھڑت وخراب باتیں بیان کرنے والے اور لکھنے والے موجود ہیں اور غیر مسلم حکومتیں بھی اپنی ریشہ دوانیوں اور اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ قرآن نے بتایا ہے کہ: [فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ] (انعام: ۳۳) "یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کررہے ہیں"۔

کوئی مانے یا نہ مانے اسلام سچا دین ہے اور ہر طرح کی رکاوٹوں کے بعد بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات آج بھی زندہ اور باقی ہے اور جب تک دنیا ہے باقی رہے گی۔

جو شخص بھی ایمان داری، انصاف اور سچائی کے ساتھ آپ علیہ السلاۃ والسلام کی ذات پر اور آپ کی تعلیمات پر اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کے اثر انگیزی پر غور کرے گا وہ ضرور پائے گا کہ آپ اللہ کے رسول اور انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہیں اور اپنی تعلیمات واخلاق کی بنیاد پر انسانیت کے سب سے اعلی وافضل مقام پر فائز ہیں۔

●●●

درس حدیث

خیر وبرکت کا مہینہ: ماہ رمضان

مولانا عبدالمتین مدنی

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين رواه البخاری (۴/ ۱۱۲) ومسلم (۱۰۷۹)، وفی رواية لمسلم: فتحت أبواب الرحمة.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جب رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم نے روایت کیا ہے اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

سید الشہور رمضان المبارک متعدد فضائل وخصائص کا حامل ہے، اسی ماہ میں قرآن کریم نزول ہوا۔ یہ ماہ رحمت ومغفرت اور صبر ومساوات کا مہینہ ہے۔ اسی ماہ میں غزوہ بدر اور فتح مکہ کے عظیم واقعات پیش آئے۔ قدر کی رات اور اعتکاف کی سنت بھی رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہے۔ اس ماہ مبارک کی ہر رات اللہ کے بندوں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ ملتا ہے۔ رمضان کی راتوں کا قیام، تہجد دوسری راتوں کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ ماہ تلاوت قرآن، زکر واذکار اور توبہ واستغفار کا ہے۔ اللہ کے بندے بوقت سحر استغفار کرتے ہیں اور روزہ دار کی دعائیں بوقت افطار رد نہیں کی جاتیں۔ یہ ماہ تقوی اور خدمت خلق کی تربیت کا مہینہ ہے۔ الغرض یہ کہ اس ماہ کے فضائل اور امتیازات بکثرت ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث شریف میں بھی اس ماہ کی تین خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں اور اسی کی ہم معنی روایت سنن ترمذی وابن ماجہ میں بھی ہے جس میں مزید وضاحت ہے۔

إذا كان أول ليلة من شهر رمضان صفدت الشياطين ومردة الجن وغلقت أبواب النار فلم يفتح منها باب وفتحت أبواب الجنة فلم يغلق منها باب وينادی مناديا باغی الخير أقبل ويا باغی الشر أقصر ولله عتقاء من النار وذلک كل ليلة. سنن الترمذي (۳/ ۵۹) سنن ابن ماجه (۱۶۴۲) وإسناده حسن، وهو حديث صحيح.

جب ماہ رمضان کی پہلی شب ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کر دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند

کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کا کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اور ایک ندا لگانے والا ندا لگاتا ہے: اے خیر کے شائق پیش قدمی کرو اور اے شر کے شائق باز آجاؤ، اور ہر رات اللہ کی طرف جہنم سے آزادی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس عظیم مہینہ میں اللہ کے بندوں کے لیے بڑی بشارتیں ہیں، رمضان کے آغاز ہی سے جنت کے تمام دروازوں کا کھلا ہونا اور جہنم کے تمام دروازوں کا بند ہونا، اللہ کے بندوں کو پیغام دیتا ہے اب جنت کے دروازے آپ کے لیے کھول دیئے گئے، آپ کو اس ماہ مبارک میں نیکیوں کا کام کرنا بھی آپ کے لیے آسان کر دیا گیا، اس لیے کہ بڑے اور سرکش شیاطین مقید ہیں۔ اب ان کے پاس گمراہ کرنے اور بہکانے کے اتنے مواقع میسر نہیں جتنے انہیں دوسرے دنوں میں حاصل تھے۔ اس لیے آؤ پیش قدمی کرو، اللہ کا منادی تمہیں پکار رہا ہے۔ اللہ کی رحمتیں، اس کی مغفرت اور اس کی جنت جسے ہر شب رمضان میں رب کریم آپ کے لیے سجاتا اور سنوارتا ہے تمہاری منتظر ہے۔ آؤ نیک اعما ل کر کے نمازیں ادا کرکے، روزے رکھ کر، صدقات وخیرات کر کے، فرض زکوٰۃ نکال کر، صلہ رحمی کر کے، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر واذکار سے اپنی زبان تر کر کے، اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی اور احسان کا سلوک کر کے اپنے آپ کو اللہ کی رحمت ومغفرت کا مستحق بنالو۔

اور اے غافل انسان، گناہوں میں ملوث، معاصی کے رسیا، رب اور اس کی رحمتوں سے بے پرواہ آؤ یہ مہینہ اور اس مہینہ کی رحمتیں آپ کے لیے ہیں۔ آؤ اپنی اصلاح کرو۔ گناہوں سے باز آؤ۔ اپنی زبان اور دل کو پاک وصاف کر لو۔ غیبت، چغلی، گالی گلوج، حسد، حقد، کینہ اور اس جیسی دوسرے گناہوں سے، ظلم، جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت اور اس جیسے گناہوں کو چھوڑو، شیطان مقید آپ کے لیے کئے گئے، جہنم کے دروازے آپ کے لیے بند کئے گئے۔ رب کا منادی آپ کو پکار رہا ہے، اب تو اپنے آپ کو سنبھالو، اصلاح کے اتنے مواقع آپ کو حاصل ہیں اور اصلاح کا یہ عمل آپ کے لیے اتنا آسان بنا دیا گیا۔ جب آپ کا پیٹ روزہ رکھ سکتا ہے تو آپ کی زبان، کان، آنکھیں، دل اور دوسرے اعضاء روزہ کیوں نہیں رکھ سکتے۔ واللہ رکھ سکتے ہیں اور یہی روزہ کا مقصد ہے اور یہی اصل تقوی ہے اور روزہ کے ذریعہ سے ان اعضاء کی تربیت کرنا مقصود ہے۔ صرف بھوک و پیاس کا نام روزہ نہیں ہے۔

اس لیے اس ماہ مبارک کی آمد سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے اپنی اصلاح کا مہینہ بنالو۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کی زندگی کا آخری رمضان ہو، جو لوگ کل ہمارے ساتھ تھے ان سے عبرت حاصل کرو۔ ان کی نمازیں، ان کے روزے، ان کے صدقات وخیرات ان کی قبروں میں ان کے لیے سامان نور ونکہت ہیں اور اسی کی روشنی میں وہ پل صراط کا سفر طے کرتے ہوئے اپنے ابدی مقر جنت میں اللہ کی رحمت سے داخل ہوں گے۔

★★★

افتتاحیہ

اپنی بات

مــدیـــــر

● نیوزی لینڈ کا المناک حادثہ: منظر اور پس منظر:

اس بات پر قرآن کریم شاہد عدل ہے امت محمدیہ کے لیے جمعہ کا دن اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ دن اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے امت محمدیہ کا شعار ہے۔ یہ دن پروردگار عالم کی خصوصی عنایت اور لطف وکرم کا دن ہے۔ جمعہ کا دن سید الایام (حاکم: ۱/ ۲۷۷) اور ہفتہ کی عید (ابوداود: ۱۰۷۲) ہے۔ اس دن مسلمان اچھی طرح نہا دھو کر، عمدہ ترین خوشبو لگا کر اور خوب صورت پوشاک پہن کر اول وقت میں مسجد میں فروکش ہونے کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اللہ جل جلالہ کی عبادت وریاضت، قرآن کریم کی تلاوت، دعا ومناجات اور ذکر وانابت سے اپنے دامن مراد کو بھر لیں۔ یہ دن مسلمانوں کے نزدیک جتنا اہم اور فضیلت کا دن ہے دوسرے ادیان کے متبعین اتنا ہی اس دن سے انقباض رکھتے ہیں اور اس کے تقدس کو پامال کرنے کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی مارچ کی پندرہ تاریخ کو نیوزی لینڈ میں دیکھنے اور سننے کو ملا۔ مختلف وسائل اعلام کی خبروں کے مطابق ایک دہشت گرد عین جمعہ کے وقت نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ میں واقع دو مسجدوں میں یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلتا ہے اور آن ہی آن میں انچاس مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اتنے ہی اشخاص کو زخمی کردیتا ہے۔ حملہ آور اٹھائیس سالہ آسٹریلیائی باشندہ ہے۔ میڈیا میں چل رہی خبروں کے مطابق اس سفاک قاتل نے اس واقعہ کا لائیو ویڈیو اپنے فیس بک پر چلایا ہے جس میں اس نے اپنا نام ''برینٹن ٹیرنٹ'' بتایا ہے۔

ویڈیو میں دکھایا گیا ہے کہ ایک آدمی اسلحہ سے لیس ہوکر اپنی گاڑی سے اترتا ہے اور مسجد کے دروازہ کی طرف بڑھتا ہے اور مسجد میں گھس کر اندھا دھند وحشیانہ فائرنگ شروع کردیتا ہے۔ مسجد میں موجود افراد میں سے بلا تفریق مرد وعورت، چھوٹے بڑے اور ضعیف وناتواں اور کمزور وکم سن بچے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ قابل غور پہلو یہ ہے کہ اس سفاک قاتل نے اپنے سر پر کیمرہ فٹ کررکھا تھا جس سے اس اندوہناک منظر کی پوری ریکارڈنگ کررہا تھا تاکہ نیوزی لینڈ جیسے پرامن اور انسانیت نواز ملک میں نفرت وتعصب کو فروغ دیا جاسکے۔ خبروں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حملہ آور مسلمانوں سے حد درجہ نفرت اور تعصب رکھتا ہے اور اس سلسلہ کی کچھ تصویریں اور تحریریں بھی ہیں جن کو سوشل میڈیا پر شیئر کررکھی ہیں اور اس دہشت گردانہ فعل کو انجام دینے کے لیے دو سال سے گھات میں تھا اور اپنی کارستانیوں کے تانے بانے بننے کے فراق میں تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی اور پلاننگ تھی جس کی تائید حملہ آور کی بندوق پر لکھی ہوئی تحریروں سے ہوتی ہے۔ یہ

دہشت گردانہ کارروائی اور المناک واندوہناک حادثہ اسلام اور مسلم دشمنی پر مبنی تھا۔اس واقعہ کے بعد نیوزی لینڈ کی خاتون وزیر اعظم نے مذہبی مقامات کی سیکورٹی میں اضافہ کرنے کا حکم دیا اور متعلقہ افسران کو حفاظتی انتظام سخت کرنے کے لیے جنگی پیمانہ پر کام کرنے کی ہدایت جاری کی۔

نیوزی لینڈ ایک ایسا ملک ہے جہاں ہر مذہب اور دھرم کے ماننے والے موجود ہیں اور آپس میں گلستاں کے مانند ہیں جس میں ہر طرح کے خوشنما بیل بوٹے اگتے ہیں۔ باہمی اتحاد اور یک جہتی ہی اس ملک کی خوب صورتی ہے۔ وہاں نہ نفرت ہے اور نہ کدورت۔ نہ تعصب ہے نہ تشدد۔ سب لوگ ایک دوسرے کا احترام کرتے ہی اور خوشی وغمی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ اس موقع پر نیوزی لینڈ کی خاتون وزیر اعظم جیسنڈا نے جس انسانی ہم دردی اور وسیع القلبی کا مظاہرہ کیا تاریخ کا ایک زریں باب بن گیا۔ اس سفاک قاتل کے تئیں کوئی عذر لنگ تلاش کرنے کی نہ کوئی کوشش کی اور نہ اسے دہشت گردانہ حادثہ تسلیم کرنے میں لیت ولعل اور آئیں بائیں سے کام لیا، بلکہ اسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے محبوس کر دیا۔ اس واقعہ پر کوئی سیاست نہ کر کے جس بلند ہمتی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اس نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیا اور اسے ''عالمی ہیرو'' بنا دیا۔ مہلوکین اور مقتولین کے اہل خانہ اور اقرباء کے ساتھ غم میں برابر شریک ہو کر ایک حقیقی قائد کا رول ادا کیا۔ ہمدردی اور اپنائیت کا مظاہرہ کیا۔ اس میں نہ کوئی دکھاوا تھا اور نہ ہی اس میں کسی سیاسی فائدے کے حصول کی توقع مضمر تھی۔ حادثہ کے دن سیاہ پوشاک میں ملبوس ہو کر اور مسلم خواتین کی طرح سر پر دوپٹہ اوڑھ کر مہلوکین کے ورثاء اور اعزہ سے گلے مل رہی تھی تو اس کا دل بے چین اور مضطرب تھا۔ چہرے پر غم والم کی لکیریں صاف نمایاں تھیں۔ زباں پر معافی اور رواداری کے دو بول تھے۔ جس طرح غم والم سے نڈھال تھی اس کیفیت میں یہ احساس پنہاں تھا کہ مسلمانوں کو گھبرانے اور خوف وہراس میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں اور یہ واضح کرنا چاہتی تھی کہ مسلمانوں کے غموں کا مداوا کیا جائے اور ان کے زخموں پر حقیقی مرہم رکھا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ پورا نیوزی لینڈ آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

مسلمانوں سے الفت ومحبت اور ہمدردی کو فروغ دیتے ہوئے نیوزی لینڈ کی خاتون وزیر اعظم جیسنڈا آرڈرن نے پارلیمنٹ کی کارروائی قرآن کریم کی تلاوت سے شروع کرنے کا حکم دیا اور خود السلام علیکم کے ذریعہ اپنے خطاب کا آغاز کیا اور دوسرے جمعہ کو ہیگلی پارک میں خطاب کے درمیان حدیث رسول کی ترجمانی پیش کر کے مسلمانوں کا دل جیت لیا اور نیوزی لینڈ کے تمام اخبارات میں السلام علیکم کو پہلے صفحہ پر جلی حروف میں لکھوا کر ناقابل فراموش میسج دیا کہ اس ملک کی زمین پر دہشت گردی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے اور اسلام امن وشانتی کا مذہب ہے۔ ہجوم وارہاب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ نیز مسلمان امن وشانتی کے پیامبر ہیں۔ جو لوگ اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کرتے ہیں وہ درحقیقت اسلامی تعلیمات اور اس کی اعلی قدروں سے ناواقف ہیں۔ پھر دوسرے جمعہ کو سرکاری نیوز چینلوں اور ریڈیو اسٹیشنوں سے اذان کی لائیو کاسٹنگ نے دہشت گردی کی رہی سہی کمر توڑ دی۔ صد آفریں اس خاتون وزیر اعظم کے لیے جس نے بڑی

زیرکی اور دانش مندی سے حالات کا مقابلہ کیا اور معتدل رویہ اختیار کرکے ایسا مثبت پیغام دیا جس سے پوری دنیا انگشت بدنداں ہے۔ اگر یہ حادثہ نیوزی لینڈ کے علاوہ کہیں اور ہوا ہوتا جہاں کی فضا مسموم اور زہر آلود ہے اور مسلمانوں کے تئیں سخت نفرت وبغض ہے تو اللہ کی پناہ مسلمانوں پر کیا کیا گزرتی، اسے صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اگر کسی مسلمان نے انجام دیا ہوتا تو پوری دنیا مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتی جس طرح بھوکا پیالہ پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

نیوزی لینڈ کا یہ واقعہ دیدہ عبرت اور سامان بصیرت بن گیا۔ اس حادثہ کے بعد اسلام پھر سرخرو ہوکر ابھرا اور لوگوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کے تئیں تجسس پیدا ہوا جس کا نتیجہ بایں طور سامنے آیا کہ تین سو سے زائد گھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ سچ ہے:

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے جتنا کہ دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

اسی مناسبت سے عبید اللہ شفیق اعظمی کی تحریر ''اسلام میں دہشت گردی کا کوئی تصور نہیں'' کو جگہ دی گئی ہے تاکہ دہشت گردی کے بارے میں اسلام کے موقف کو واضح کیا جا سکے۔ مولانا عبدالمتین مدنی نے درس حدیث میں اور مولانا مقبول احمد سلفی (طائف) نے اپنے مضمون میں رمضان المبارک کی آمد کی مناسبت سے بہترین اور سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کی ہے۔ قرآن کریم جو پوری انسانیت کے لیے سرچشمۂ رشد وہدایت اور دلوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ آسمانی کتابوں میں عظیم ترین اور قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے۔ اس کی عظمت کے تقاضوں کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے استاد گرامی ڈاکٹر عبدالرزاق بدر حفظہ اللہ کا وقیع مضمون پیش خدمت ہے جس کی ترجمانی گرامی قدر مولانا رفیق احمد رئیس سلفی حفظہ اللہ کے شستہ قلم نے کیا ہے۔ امید ہے کہ ماہ صیام جو قرآن کے نزول کا مہینہ ہے، اس ماہ میں قرآن کی عظمت اور پاکیزگی کا خیال رکھتے ہوئے صبح وشام اس کی تلاوت اور غور وتدبر سے ہم سب اپنے ایمان کو تازگی اور جلا بخشیں گے۔

''واضحات'' کے عنوان سے ابوالفارق شجاع الدین صاحب (کراچی) کا مضمون بھی تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری کے باب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دراصل یہ ''دبستان نذیریہ'' میں واقع فروگذاشتوں پر تصحیحی نوٹ اور کتاب مذکور میں بہتری لانے کے لیے چند گزارشات ہیں۔ ''دبستان نذیریہ'' سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۲۰-۱۳۲۰ھ) کے تلامذہ کے حالات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز ہے جو معروف عالم دین محترم مولانا محمد تنزیل صاحب صدیقی کی شاہکار تصنیف ہے۔ انہوں نے بڑی عرق ریزی سے اسے ترتیب دیا ہے۔

گوشہ طلاب کے کالم میں عزیزم اعجاز الحق انوار الحق کا مقالہ بھی قارئین کی ضیافت کے لیے حاضر ہے۔ یہ ایک طالب علم کی کاوش ہے۔ آپ کی حوصلہ افزائی اس کی کامیابی اور کامرانی کی ضامن ہوگی۔

ان کے علاوہ دیگر موضوعات پر اہل قلم کی تازہ ترین نگارشات شامل اشاعت ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ قارئین کرام اپنے گراں قدر خیالات اور تاثرات سے آگاہ کریں گے۔ آپ کے مفید مشورے اور مخلصانہ آراء ہمارے لیے مہمیز اور مشعل راہ ہیں اور آپ کی تجاویز رسالہ کی اہمیت اور معنویت میں اضافہ کا باعث۔ اللہ تعالی ہم سب کا حامی اور ناصر ہو۔

☆☆☆

قرآن مجید کی تعظیم اوراس کے تقاضے

ڈاکٹرعبدالرزاق البدر

ترجمانی: رفیق احمد رئیس سلفی

اللہ تعالیٰ نے اپنی واضح کتاب (قرآن کریم) اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی ہے، وہ سراپا رحمت ہے، تاریکیوں میں چراغ اور روشنی ہے، نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے بشارت اور نصیحت ہے۔ اللہ نے اس کتاب کو سارے جہان کے لیے بابرکت اور سرچشمۂ ہدایت بنایا ہے۔ اس میں نوع بہ نوع بیماریوں کے لیے شفا ہے، یہ کتاب بالکل سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اللہ نے اس میں اپنی نشانیاں اور خطا کاروں کے لیے تہدید مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں تاکہ لوگ تقوی کی راہ پر چلیں اور یہ کتاب ان کے لیے نصیحت بن جائے۔

اللہ کا ارشاد ہے:

[وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ] (الانعام:۲۱)

’’اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے‘‘۔

ایک دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:

[وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ] (الانعام:۱۵۵)

’’اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر وبرکت والی ہے، سو اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو‘‘۔

ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

[وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ] (الاعراف:۲۵)

’’اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت واضح کر کے بیان کردیا ہے، وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں‘‘۔

اللہ نے مزید فرمایا:

[وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ] (النحل:۸۹)

’’اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے۔ ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے‘‘۔

اللہ کا ارشاد ہے:

[كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ] (ص:۲۹)

''یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں''۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ کا ارشاد ہے:

[إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا] (الاسراء:۹)

''یقیناً یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے''۔

اسی سورہ میں اللہ مزید فرماتا ہے:

[وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا] (الاسراء:۸۲)

''یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لیے تو سراسر شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی''۔

سورہ ق میں اللہ نے فرمایا:

[إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ] (ق:۳۷)

''اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو''۔

ہم پر واجب ہے کہ ہم اس کتاب کی تعظیم کریں، اس کا مقام ومرتبہ اور اس کی قدرومنزلت پہچانیں اور اس کی تعظیم سے اپنے دلوں کو آباد کریں۔ ذیل کی سطور میں قرآن کی تعظیم کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

(۱) قرآن کی تعظیم کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا مکمل شعور ہو کہ جس ذات کا یہ کلام ہے، وہ بہت عظیم ہے، یہ قرآن اس اللہ کا کلام ہے جو سارے جہان کا پالنہار اور ساری مخلوق کا خالق ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

[تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ] (السجدۃ:۲)

''بلاشبہ اس کتاب کا اتارنا جس میں کوئی شک نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے''۔

ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا:

[وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ] (الشعراء:۱۹۲۔۱۹۳)

''اور بے شک وشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے''۔

قرآن مجید میں اس مفہوم کی آیات کئی ایک ہیں۔ لہٰذا ہمارے اوپر واجب ہے کہ ہم قرآن کی عظمت کو اس ذات کی عظمت اور اس کے جلال وکمال سے پہچانیں جس نے اسے نازل کیا ہے۔

(۲) قرآن کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مطلق طور پر سب سے عظیم، سب سے افضل اور سب سے زیادہ مہتم بالشان کلام ہے۔ اس جیسا کلام نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اس کے بعد ہوگا بلکہ اس کے پاس بھی پھٹکنے کی کسی دوسرے کلام میں تاب

نہیں، اللہ کے کلام اور مخلوق کے کلام کے درمیان وہی فرق ہے جوفرق اس کے اوراس کی مخلوق کے درمیان ہے۔اللہ کا ارشادہے:

[لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ] (الشوری:۱۱)

’’اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے‘‘۔

اسی طرح اللہ کے کلام جیسا کوئی دوسرا کلام نہیں۔

ابوعبدالرحمن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فضلُ القرآنِ علی سائرِ الکلامِ کفضلِ اللهِ علی خلقِهِ. (خلق أفعال العباد للبخاری،ص:۱۹۹)

’’قرآن مجید کو سارے کلام پر وہی فضیلت حاصل ہے جوفضیلت اللہ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے‘‘۔

(۳) قرآن مجید کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم قرآن کی محبت سے اپنے دلوں کو آباد رکھیں، کیوں کہ قرآن سے محبت اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں اس ذات سے بھی محبت ہے جس کا یہ کلام ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يُحِبُّ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ يُحِبُّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فَلْيَعْرِضْ نَفْسَهُ عَلَى الْقُرْآنِ فَإِنْ أَحَبَّ الْقُرْآنَ فَهُوَ يُحِبُّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّمَا الْقُرْآنُ كَلَامُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. (السنة لعبدالله بن أحمد،رقم:۹۵)

’’جسے یہ معلوم کرنے کا اشتیاق ہو کہ وہ اللہ عزوجل سے محبت کرتا ہے تو اسے اپنی ذات کو قرآن پر پیش کرنا چاہئے۔اگر وہ قرآن کو محبوب رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ عزوجل کو محبوب رکھتا ہے کیوں کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے‘‘۔

(۴) قرآن مجید کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اس بات کا عقیدہ رکھیں کہ قرآن مکمل ہے۔اس میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں ہے۔اسی طرح ہر قسم کے اضطراب،تعارض اور تناقض سے محفوظ ہے۔جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

[ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِ] (البقرۃ:۲)

’’اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں‘‘۔

ایک دوسری جگہ اللہ کا ارشاد ہے:

[وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخۡتِلَٰفٗا كَثِيرٗا] (النساء:۸۲)

’’اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے‘‘۔

ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے:

[لَّا يَأۡتِيهِ ٱلۡبَٰطِلُ مِنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهِۦۖ تَنزِيلٞ مِّنۡ حَكِيمٍ حَمِيدٖ] (فصلت:۴۲)

’’جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ ہے نازل کردہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے‘‘۔

(۵) قرآن مجید کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم پورے قرآن کو قبول کریں۔اس میں سے کسی چیز کی تردید نہ کی جائے ،جس کسی نے اس کی کسی ایک بات کی تردید کی،اس نے گویا اس ذات کی تردید کی جس کا یہ کلام

ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَمَنْ رَدَّ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنَّمَا يَرُدُّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.(السنة لعبدالله بن أحمد،رقم:۹۱۱،وسنده ضعيف)

’’قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے،جس نے اس کی کسی بات کی تردید کی،اس نے گویا اللہ عزوجل کی تردید کی‘‘۔

(۶)قرآن مجید کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی کسی ایک آیت کا بھی مذاق اڑانے سے پورے طور پر اجتناب کیا جائے،اس کے کسی مضمون میں کوئی نقص نہ نکالا جائے کیوں کہ ایسا کرنا سراسر اللہ عزوجل کا کفر ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

[قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ] (التوبۃ:۶۵۔۶۶)

’’کہہ دیجئے کہ اللہ،اس کی آیتیں اوراس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں۔تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے‘‘۔

(۷)قرآن کی تعظیم کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ تمام مقاصد کومحیط اور جامع ہے۔وہ ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جن کی بندوں کو اپنی دنیا وآخرت کے مصالح میں ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

[وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ] (النحل:۸۹)

’’اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے‘‘۔

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں بندوں کی تمام ضروریات اوران کے مقاصد کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس میں عقائد کا بیان مکمل ہے،اس میں تمام بڑے آداب کا ذکر ہے،اسی طرح اس میں عبادات کا بیان بھی کامل ہے۔غرضیکہ اس میں تمام حاجات وضروریات کوسمیٹ دیا گیا ہے۔

(۸)قرآن مجید کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اس کا دفاع کریں،قرآن کے حامی بن کر کھڑے ہوں اور اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کے مطابق اس پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیں اوران تمام شبہات کا ازالہ کریں جواس کتاب کے سلسلے میں پیدا کیے جاتے ہیں۔

(۹)قرآن مجید کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم اسے چھوڑنے اور ترک کرنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں جیسا کہ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

[وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا] (الفرقان:۳۰)

’’اور رسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار!بیشک میری امت نے اس قرآن کوچھوڑ رکھا تھا‘‘۔

علمائے اسلام نے وضاحت کی ہے کہ یہاں قرآن کو چھوڑنے کا مطلب اس کی تلاوت نہ کرنا،اس پر غور وفکر نہ کرنا اوراس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔قرآن تو نازل اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی جملہ تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

(۱۰)قرآن کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم خوب توجہ اورمحنت سے کما حقہ اس کی تلاوت کریں،جیسا کہ اللہ

عزوجل نے فرمایا ہے:

[الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ] (البقرۃ:۱۲۱)

''جنھیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں''۔

[يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِه] کا مفہوم علمائے اسلام نے یہ بیان کیا ہے کہ تین باتیں ایک ساتھ پائی جائیں: قرآن کو پڑھا جائے،اس کے معنی ومطلب کوٹھیک طریقے سے سمجھا جائے اور قرآن کی رہنمائی اوراس کی عظیم الشان ہدایات پرعمل کیا جائے ،پھر کہیں جاکر قرآن کی تلاوت کا حق ادا ہوتا ہے۔

(۱۱) قرآن کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کے جملہ احکام وقوانین پر پسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور جو احکام ومسائل اس میں موجود ہیں،ان پر سر تسلیم خم کیا جائے۔کسی انسان کے کلام سے اس کا معارضہ نہ کیا جائے،جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

[وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا] (الاحزاب:۳٦)

''اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یادرکھو) اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا''۔

(۱۲) قرآن کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا اور اس کا حافظ اپنے پیش نظر صرف رضائے الٰہی رکھے ،اس سے اس کا مقصد نام ونمود، ریاکاری اورطلب شہرت نہ ہوکیوں کہ قیامت کے دن جہنم میں سب سے پہلے وہ شخص ڈالا جائے گا جس نے قرآن اس لیے پڑھا تھا تاکہ اسے قاری کہا جائے۔اسی طرح قرآن کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہ بنائے جیسے ایک شخص اسی مقصد سے اسے سڑکوں اور بازاروں میں پڑھے اور کوئی اس کی تلاوت کی طرف متوجہ نہ ہو اور اس طرح قرآن کو وہ رسوا کرے۔سنن ترمذی میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللَّهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ۔(سنن الترمذی: ۲۹۱۷،قال الألبانی:حسن)

''جو قرآن پڑھے تو اسے اللہ ہی سے مانگنا چاہئے کیونکہ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ پڑھ کرلوگوں سے مانگیں گے''۔

(۱۳) قرآن کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اسے کسی دشمن کے ہاتھ نہ لگنے دیا جائے کہ وہ اس کی توہین کرے،اسی طرح کسی ملحد اور زندیق کے بھی ہاتھ نہ لگنے دیا جائے کہ وہ اس کی حرمت پامال کرے۔صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَنْهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ مَخَافَةَ

أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ (صحیح مسلم: ۱۸۶۹)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع کرتے تھے قرآن کو سفر میں دشمن کے ملک میں لے جانے سے اس ڈر سے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے''۔

(۱۴) قرآن کی تعظیم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص حالت جنابت میں اس کی تلاوت نہ کرے اور ناپاکی کی حالت میں اسے ہاتھ نہ لگائے کیوں کہ اللہ تعالی کا یہ حکم عام ہے:

[لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ] (الواقعۃ: ۷۹)

''جسے صرف پاک لوگ ہی چھوسکتے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے عمرو بن حزم کے لیے جو تحریر لکھائی تھی، اس میں ہے:

ولا يَمَسُّ القرآنَ إلا طاهر. (ضعيف الجامع الصغير: ۲۳۳۳) (۱)

''قرآن کو صرف پاک شخص چھوئے''۔

(۱۵) قرآن کی تعظیم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی ایسا طرز عمل نہ اختیار کیا جائے جس سے قرآن مجید کی توہین ہوتی ہو لہذا اس کی طرف نہ پیر پسارے جائیں، نہ اس پر ٹیک لگایا جائے، نہ اسے بطور تکیہ استعمال کیا جائے اور نہ اسے زمین پر پھینکا جائے۔ قرآن کی تعظیم کے پیش نظر اس طرح کے تمام کاموں سے ایک شخص کو پرہیز کرنا چاہئے اور ایسے کسی بھی کام کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہئے۔

(۱۶) قرآن کی تعظیم کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا پہلے اپنے منہ کو صاف ستھرا کرلے، کیوں کہ وہ اللہ کا کلام پڑھنے جارہا ہے۔ امام ابن ماجہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ:

إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقٌ لِلْقُرْآنِ، فَطَيِّبُوهَا بِالسِّوَاكِ. (سنن ابن ماجه: ۲۹۱)

''تمھارے منہ قرآن کے راستے ہیں (تم اپنے منہ سے قرآن کی تلاوت کرتے ہو) لہٰذا اسے مسواک کے ذریعہ پاک رکھا کرو''۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن ماجہ: ۲۳۹)

میں اللہ عظیم کے سامنے جو عرش عظیم کا رب ہے، اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے وسیلے سے دست سوال دراز کرتا ہوں کہ وہ ہمیں قرآن مجید کی تعظیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان قرآن والوں کے زمرے میں شامل کردے جو واقعی قرآن کے اہل ہیں اور اس سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہیں۔

●●●

اقرأوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه۔ (صحیح مسلم: ۸۰۴)

قرآن پڑھا کرو کیوں کہ قرآن اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔

(۱) لیکن ارواء الغلیل (۱۲۲) میں اسے صحیح کہا ہے اور اس کے تین شواہد ذکر کیے ہیں۔ مدیر

واضحات

دبستان نذیریہ میں بہتری لانے کیلئے چند گزارشات

ابوالفارق شجاع الدین، کراچی

دبستان نذیریہ جلد اول پڑھتے ہوئے بعض چیزیں نظر سے ایسی گزریں جن کی تصحیح کو ضروری جانا تاکہ آئندہ آنے والی جلدوں میں بہتری آسکے، جن باتوں پر اس مختصر مضمون میں روشنی ڈالی جائے گی ہمیں امید ہے اس سے اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والوں کو فائدہ پہنچے گا۔

تاریخ و تذکرہ نویسی ایسا موضوع ہے جس میں غلطی لگنا کوئی تعجب کی بات نہیں (الا یہ کہ بڑی غلطی نہ ہو) لیکن یہ بھی نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اگر بر وقت غلط باتوں کی تردید یا اصلاح نہ کی جائے تو آنے والے وقت میں یہ چیزیں تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے یہ چیزیں کمزور ہونے کے باوجود اپنی جگہ بنا لیتی ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے اصل حقیقت کی حیثیت سے جانی اور پہچانی جاتی ہیں۔

(۱)

دبستان نذیریہ میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذہ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں رمضان پور کے ایک اہل حدیث عالم دین حکیم محمد عبدالغفور رمضان پوری کو شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کا شاگرد سمجھ کر ان کا ترجمہ اس کتاب میں داخل کیا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حکیم صاحب شیخ الکل کے شاگرد نہیں ہیں۔

دبستان نذیریہ کے مصنف تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مولانا کے کسی تذکرہ نگار نے سید نذیر حسین محدث دہلوی سے ان کے نسبت تلمذ کا ذکر نہیں کیا۔۔۔امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا عبدالغفور، شیخ الکل کے فیض علمی سے مستفید ہونے والے خوش نصیب افراد میں سے ایک ہیں۔ اس کا انتہائی معتبر حوالہ پیش خدمت ہے۔ مولانا ابو القاسم سیف بنارسی "اہل حدیث" (امرتسر) کے قارئین کو اطلاع دیتے ہیں:

"میاں صاحب کے دو پرانے شاگردوں مولوی لطف علی صاحب بلیاوی اور مولوی محمد عبدالغفور صاحب رمضان پوری بہاری کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ۔" (دبستان نذیریہ، ص ۵۳۸، ۵۸۹)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی معتبر حوالہ ایسا ہے کہ جس سے حکیم محمد عبدالغفور رمضان پوری شیخ الکل کے شاگرد ثابت ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ اب تک تحریراً کوئی معتبر تو کیا غیر معتبر ثبوت بھی اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے موجود نہیں۔ خیر ہم اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے برہان قاطع پیش کرتے ہیں۔

حکیم صاحب نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "ضروریات عرب" تھا۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۵ پر حکیم

صاحب شیخ الکل کا ذکر کرتے ہوئے یہ حاشیہ لگاتے ہیں:
"واضح رہے کہ راقم آثم عفی عنہ نے مولانا سے کچھ بھی نہیں پڑھا ہے، میں ان کا شاگرد نہیں ہوں"۔

کسی کے ذہن میں یہ بات بھی آسکتی ہے کہ شاید حکیم صاحب کا شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے شاگردی کا تعلق اس کتاب کے بعد وجود میں آیا ہو! عرض ہے کہ یہ خیال درست نہیں، وہ اس لئے کہ یہ کتاب ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوئی ہے اور شیخ الکل کا انتقال ۱۰ رجب روز دوشنبہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ (الحیات بعد الممات، ص ۲۲۲)

یہ خیال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ حکیم صاحب یہ کتاب (ضروریات عرب) پہلے لکھ چکے ہوں اور شائع بعد میں ہوئی ہو اور اسی دوران وہ شیخ الکل سے پڑھ کر شاگردوں کی فہرست میں داخل ہوگئے ہوں۔

اس خیال کی تردید بھی یوں ہوجاتی ہے کہ حکیم صاحب نے اپنے سفر حج کا ذکر اسی کتاب میں یوں بھی کیا ہے:
"راقم آثم عفی عنہ جب کہ ۱۳۲۳ھ میں سفر حج سے مشرف ہوا"۔ (ضروریات عرب، ص ۲)

اور ہم اوپر شیخ الکل فی الکل کی تاریخ وفات نقل کر آئے ہیں جس کو پیش نظر رکھ کر یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ رسالہ حکیم صاحب نے شیخ الکل کے انتقال کے بعد لکھا۔

(۲)

شیخ الکل کی تاریخ وفات ۱۹۰۱ء (دبستان نذیریہ، ص ۳۹۲)

یہ تاریخ وفات درست نہیں۔ صحیح ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء ہی ہے۔ (الحیات بعد الممات، ص ۲۲۲، وغیرہ)

(۳)

مولانا یٰسین بن احمد اللہ رحیم آبادی کے بارے میں لکھا:

"مرض وجع الفوائد میں مبتلا ہوئے، ۱۱ دن اس مرض میں مبتلا رہے، تا آنکہ ۲۱ ذوالقعدہ ۱۲۹۸ھ کو محض ۲۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ"۔ (دبستان نذیریہ، ص ۶۹۲)

یہ خبر قطعا غلط ہے، غلطی لگنے کی بنیادی وجہ مولانا عبدالوہاب دیودہاوی کی ایک تحریر ہے جو اخبار اہل حدیث امرتسر، ج ۲۴، ش ۴۹، ص ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۔ تذکرہ نویس اگر تھوڑا غور فرماتے تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے۔

دبستان نذیریہ، ص ۴۹۱ پہ یٰسین رحیم آبادی کی کتاب "التحقیق المزید۔۔۔" کا ذکر خود کرکے بتایا کہ یہ ۱۳۰۵ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی۔ اگر ان کا انتقال واقعی ۱۲۹۸ھ میں ہوچکا تھا تو پھر وہ یہ کتاب کیسے لکھ سکتے تھے؟

۲۔ یہ کتاب دراصل محدث محمد سعید بنارسی کی ایک تحریر "اسوہ حسنہ" (جو ضمیمہ شحنہ ہند ۲۴ اپریل ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی تھی) کا جواب تھا، محدث بنارسی کی طرف سے جوابی کاروائی میں "توثیق الحق السدید جواباً رسالۃ التحقیق المزید" منظر عام پہ آئی۔ یہ ۱۳۰۶ھ میں سعید المطابع بنارس سے شائع ہوئی، ہاں یہ بات اپنی جگہ کہ محدث بنارسی مولانا یٰسین کو مخاطب نہ کرتے ہوئے امام

المناظرین مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے دو بدو ہوئے، (ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مولانا یٰسین محدث بنارسی کے شاگرد تھے، باقی وجوہات کا ذکر کرنا مفید نہیں) لیکن الفاظ ایسے استعمال کئے جن سے یٰسین رحیم آبادی کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ یاد رہے کہ ۱۸۸۸ء میں محدث بنارسی کی شائع ہونے والی تحریر کا یہ جواب ہے تو اب یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یٰسین رحیم آبادی کا رسالہ پہلے کا ہوگا جو ۱۳۰۵ھ میں بعد انتقال شائع ہوا ہوگا۔

۴۔ اسی طرح مولانا یٰسین کے ایک خط کا ذکر محدث بنارسی نے "توثیق الحق السدید۔۔۔ ص" ۲۶ پہ کیا ہے، خط میں تاریخ درج نہیں لیکن واضح دلائل سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ یہ خط ۱۳۰۵ھ کا ہے کیونکہ یہ خط رسالہ التحقیق المزید۔۔۔ میں کتابت کی ایک غلطی سے متعلق تھا۔

۵۔ مزید ایک اور حوالہ نوٹ کیجئے جس سے یٰسین رحیم آبادی کا ۱۲۹۸ھ کے بعد زندہ رہنے کا واضح ثبوت مل جاتا ہے، رحیم آبادی و بنارسی جھگڑا جب بہت زیادہ بڑھ گیا تو علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی (مظلوم) نے اس پر اپنا ریویو پیش کیا:

" ان مشاجرات میں حق رحیم آبادیوں کی جانب ہے، دینی مسائل کی نظر سے دیکھا جاوے تو ان کو غلبہ ہے۔۔۔ "(اشاعۃ السنہ، ج ۱۲، ش ۴، ص ۱۰۱)

یہاں رحیم آبادیوں سے مراد مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور یٰسین رحیم آبادی ہیں کیونکہ تحریری مناظرہ یہی دونوں بھائی اس گھر سے محدث بنارسی کے ساتھ کر رہے تھے، ان کے والد رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ رحیم آبادی جو حصہ اور دلچسپی لے رہے تھے وہ بحیثیت مناظر کے نہ تھی، اشاعۃ السنہ کا یہ شمارہ، سن ۱۸۹۰ء کا ہے۔

۶۔ مزید ایک اور طریقے سے دیکھیں، اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے مشائخ آگے بڑھے اور اس مسئلہ میں اپنا اپنا نکتہ نظر بھی پیش کیا، اس حوالے سے ایک کتاب قابل ذکر ہے "الفوائد التحقیقیۃ من الدرر التقریظیہ" اس میں رحیم آبادیوں کے حمایتی علماء کے فتاویٰ اور تقاریظ جمع ہیں، اس کتاب کو سامنے رکھا جائے تو اس سے بھی یہ تصویر بالکل صاف شکل میں سامنے آتی ہے کہ یٰسین رحیم آبادی اس وقت باحیات تھے اور ان کا انتقال ۱۲۹۸ھ میں ہرگز نہیں ہوا تھا۔

"الفوائد التحقیقیۃ۔۔۔ ۱۸۹۰" ء میں مطبع احتشامیہ مراد آباد سے شائع ہوئی، یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا جائے۔ شیخ محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ نے" جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات" میں اس کتاب کو محدث بنارسی کی جانب منسوب کیا ہے جب کہ یہ بات حالات و واقعات نیز عقل کے بھی بالکل خلاف ہے، وہ یوں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محدث بنارسی اپنے خلاف ہی فتاویٰ و تقاریظ جمع کریں اور شائع کر دیں باوجود اس کے کہ وہ خود کو اس مسئلہ میں حق بجانب خیال کرتے تھے اور کئی ایک علماء اس مسئلہ میں ان کے ہم خیال بھی تھے۔ پھر اگر یہ کتاب واقعی محدث بنارسی ہی کی ہوتی تو یہ ان کے اپنے مطبع سے شائع ہوتی۔ عبدالرشید عراقی صاحب نے بھی شیخ محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس کتاب کو محدث بنارسی کی جانب

منسوب کیا ہے۔ (چالیس علماء اہل حدیث، ص ۶۱)

خیر آگے بڑھتے ہیں اور واضح دلیل پیش کرکے یٰسین رحیم آبادی کی درست تاریخ وفات پیش کرتے ہیں۔

۷۔ مجدد السنہ مشرقیہ احمد حسن شوکت میرٹھی یٰسین رحیم آبادی کے انتقال کی خبر اپنے اخبار شحنہ ہند میں یوں لگاتے ہیں: "ہم نے گزشتہ شحنہ ہند میں برادران اہل حدیث کی خدمت بابرکت میں مولانا و اولانا حافظ محمد یٰسین صاحب محدث رحیم آبادی کی صحت کے لئے سفارش کی تھی ہم کو کیا معلوم تھا کہ اس سے دوسرے ہی روز مولانا مبرور کی جوان موت کی خبر سامعہ کوب ہوگی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ شحنہ ہند کا دوسرا پرچہ بجائے اس کے کہ مژدہ صحت یابی کا مسرت کدہ بنے اس جوان مرگ کا کارنائر ماتم بنے گا۔ افسوس صد افسوس کہ ۲۱ ذوقعدہ روز شنبہ کو بوقت نماز عصر مولانا مرحوم نے حیرت کدہ دنیا سے عشرتکدہ بقا کی راہ لی"۔ (ج ۹، ش ۲۶، ص ۵، ۸ جولائی ۱۸۹۱ء مطابق یکم ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ)

(نوٹ: الحیات بعد المات میں بھی مولانا یٰسین رحیم آبادی کی تاریخ وفات ۱۳۰۸ھ درج ہے)

دبستان نذیریہ ص ۶۹۰ پر یٰسین رحیم آبادی کی عمر ۲۲ سال بتائی ہے لیکن اس کا ماخذ نہیں بتایا، یہاں بھی مولانا عبدالوہاب الدیودھاوی پر اعتماد کیا ہے جس کا مکمل حوالہ ہم پیچھے دے آئے ہیں اب درست تاریخ وفات معلوم ہوجانے سے اس خبر کی بھی تردید ہوجاتی ہے اور دس سال بڑھا دئے جائیں تو عمر ۳۲ سال بنتی ہے۔

نوٹ: مولانا الوہاب الدیودہاوی نے عمر ۳۲ سال لکھی تھی، دبستان نذیریہ میں ۲۲ شاید پروف کی غلطی ہے۔

(۴)

رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ رحیم آبادی کی تاریخ وفات اور نابینا ہوجانے کے بارے میں فرماتے ہیں: "شیخ احمد اللہ کے ایک صاحبزادے مولانا محمد یٰسین نے ان کی زندگی ہی میں عین جواں سالگی کے عالم میں داغ مفارقت دیا، جس سے شیخ احمد اللہ کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ بینائی سے محروم ہوگئے اور محض دو برس بعد انتقال ۱۳۰۰ھ میں لحد میں جا اترے"۔ (دبستان نذیریہ، ص ۶۱۵)

مصنف نے اس خبر کی چھان پھٹک کے لئے کوئی حوالہ نہیں کیا، خیر یہ خبر بالکل بے بنیاد، بے دلیل اور خلاف حقائق ہونے کی وجہ سے محض افسانہ ہے، رئیس الموحدین نہ تو اپنے بیٹے کے انتقال کی وجہ سے اس وقت نابینا ہوئے اور نہ ہی ان کا انتقال ۱۳۰۰ھ میں ہوا۔

۱۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ دبستان نذیریہ میں عبدالعزیز رحیم آبادی کے حالات میں مناظرہ مرشد آباد کا ذکر بھی کیا ہے لیکن پھر بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ کا انتقال ۱۳۰۰ھ میں ہوا۔ مناظرہ مرشد آباد کی روداد امام المناظرین عبدالعزیز رحیم آبادی نے بھی قلم بند کی تھی، وہ فرماتے ہیں:

"اہل حدیث نے راقم الحروف عبدالعزیز رحیم آبادی کو اولا خطوط لکھے مگر میں نے جواب تک نہیں بھیجا۔۔۔ چنانچہ مولوی حفاظت اللہ خط لے کر پہنچے وحسب اجازت والد مدظلہ میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔۔۔" (روداد مناظرہ مرشد آباد، ص ۲)

مناظرہ مرشدآباد ۱۳۰۵ھ میں منعقد ہوا، اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ (جن کی اجازت سے امام المناظرین مناظرے کے لئے مرشدآباد روانہ ہوئے) کا انتقال ہرگز ۱۳۰۰ھ میں نہیں ہوا۔

۲۔ محدث محمد سعید بنارسی فرماتے ہیں:

" جناب شیخ احمد اللہ صاحب زمیندار موضع رحیم آباد نے میرے پاس رسالہ مسمی التحقیق المزیدارسال فرمایا۔۔ "

(توثیق الحق السدید جوابا علی رسالۃ التحقیق المزید، ص ۳)

محدث بنارسی کی یہ کتاب سعید المطابع بنارس سے ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوئی، ثابت ہوا کہ رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ اب تک باحیات تھے۔

۳۔ علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی (مظلوم) نے ایک مقام پر لکھا: "ہم اپنے معزز و مکرم دوست حاجی شیخ احمد اللہ صاحب والد ماجد نوجوانان رحیم آبادی کی خدمت میں ناصحانہ التماس کرتے ہیں کہ آپ اپنے لائق اور ہونہار فرزندوں اور اپنی خداداد دولت کو اصول و امہات مسائل اسلام کی تائید و اشاعت میں متوجہ و مصروف کریں۔۔۔۔ ہمارا گمان بلکہ یقین یہ ہے کہ رحیم آبادی نوجوان اور ان کے والد ماجد (جو عمر میں پیر ہیں مگر ہمت اور حمیت حق میں نوجوان) کو ان ہی کی کلمات سے زیادہ اشتعال ہوا ہے۔۔۔"

(اشاعۃ السنہ، ج ۱۲، ش ۴، ص ۱۰۲، ۱۰۳ و ۱۰۵)

یہ بات ۱۳۰۶-۱۳۰۷ھ کی ہے، معلوم ہوا کہ رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ اب تک حیات سے تھے۔

۴۔ مجدد السنہ مشرقیہ مولانا احمد حسن شوکت میرٹھی نے جب حافظ محمد یٰسین رحیم آبادی کی خبر وفات اخبار شحنہ ہند میں لگائی۔ (جس کا حوالہ ہم پیچھے دے آئے ہیں) تو وہاں یہ بات بھی نقل کی:

" اس میں شک نہیں کہ یہ جگر گداز واقعہ نہ صرف حضرت رئیس الموحدین اور ان کے متعلقین اور تینوں فرزندوں کے لئے (سلمهم الله تعالیٰ) ہے بلکہ تمام گروہ اہل حدیث کے لئے ایک سخت دل خون کن حادثہ ہے"۔

۵۔ مشہور مقدمہ (پریوی کونسل) جس پر رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ نے ہزاروں روپے اس زمانے میں خرچ کئے اس کی ڈگری جو اہل حدیثوں کے حق میں آئی وہ تو اس کے بھی بعد کی ہے۔

۶۔ علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی (مظلوم) ایک جگہ فرماتے ہیں:

" شیخ احمد اللہ صاحب رئیس اعظم رحیم آباد ضلع دربھنگہ عرصہ ایک سال سے حضرت شیخ الکل کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ "

یہ بات ۱۸۹۳ء کی ہے، پس ظاہر و باہر ہے کہ رئیس الموحدین شیخ احمد اللہ کا انتقال ۱۳۰۰ھ میں نہیں ہوا اور جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ بھی بالکل واضح ہے کہ وہ اندھے اپنے بیٹے کے غم میں اندھے نہیں ہوئے تھے۔

(۵)

دو مقامات پر اہل حدیث گزٹ کا حوالہ یوں پیش کیا:

"ہفت روزہ اہل حدیث گزٹ (دہلی) ستمبر "۱۹۲۷

(دبستان نذیریہ، ص ۱۲۵-۱۲۹)

پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل حدیث گزٹ کی تاریخ

اجراء جون ۱۹۳۳ ہے، دوسری بات یہ کہ اہل حدیث گزٹ پہلے ماہنامہ تھا، پھر پندرہ روزہ ہوگیا اب تک ہماری نظر سے اس اخبار کے جتنے پرچے ۱۹۴۷ء تک کے گزرے ہیں ان کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار ہفت روزہ نہیں تھا۔

(۶)

کتاب التوحید (اردو) کے حوالے سے فرماتے ہیں:

" اس زمانے میں عبدالحلیم لکھنؤ میں میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ حدیث میں اکتساب علم کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا تلطف حسین کے ایماء پر انہوں نے اس کا ترجمہ کیا۔ مولانا تلطف حسین نے عربی اور اردو ترجمہ ایک ساتھ مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں طبع کروایا"۔ (دبستان نذیریہ، ص ۳۸۱)

عرض ہے کہ کتاب التوحید عربی مع اردو ترجمہ طبع اول ۱۳۰۸ھ نہیں، طبع اول کے ٹائٹل پیج پر یہ عبارت درج ہے:

"فی المطبع الفاروقی الواقع فی الدھلی، سنۃ" ۱۲۹۹۔

عربی متن ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے پھر اردو ترجمہ شروع ہوتا ہے جس کے کل صفحات ۵۰ ہیں، جہاں اردو ترجمہ ختم ہوا اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

الحمدللہ کہ رسالہ کثیر المنفعت قامع بنیاد شرک و بدعت مع ترجمہ جس کو حامی سنت ابونعیم عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حسب فرمائش جناب مولوی تلطف حسین صاحب عظیم آبادی کے ترجمہ فرمایا، باہتمام حافظ مولوی سید عبدالسلام صاحب مطبع فاروقی دہلی میں ماہ صفر ۱۳۰۰ھ مطبوع ہوکر تازگی بخش قلوب مومنین ہوا"۔

۱۳۰۸ھ والی اشاعت جہاں ترجمہ ختم ہوا وہاں عبارت میں معمولی تبدیلی کے ساتھ یہ درج ہے:

"۔۔۔ باہتمام سید میر معظم صاحب مطبع فاروقی دہلی میں مطبوع ہوکر۔۔۔"

یعنی طبع اول کے مہتمم سید عبدالسلام صاحب اور ۱۳۰۸ھ میں بحیثیت مہتمم سید میر معظم صاحب کا نام درج ہوا البتہ اردو ترجمہ کے آخر میں سن اشاعت درج نہیں بلکہ ٹائیٹل پیج پہ لکھا ہے اور ۱۳۰۸ھ کی طبع کے آخر میں اس بات کا اضافہ بھی ہے:

"اطلاع یہ کتاب قانون بستم ۱۸۴۷ء کے بھی رجسٹری گورنمنٹ داخل کرکے ارباب مطبع وغیرہ کی خدمت میں التماس ہے کہ بلا اجازت کم ترین غرم طبع نہ کریں، المشتہر محمد تلطف حسین عفا اللہ عنہ "(ص، ۵۰)

مولانا ابوعلی اثری کے پاس بھی کتاب التوحید کی طبع اول (عربی مع اردو) تھی، البتہ وہ ایک غلط خیال کا اظہار، ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"غالباً اس کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت نہیں آئی اور پھر یہ پردہ گمنامی میں چلا گیا"۔ (چند رجال اہل حدیث، ص ۸۷)

پیچھے پیش کی گئی بحث سے مولانا ابوعلی اثری کی اس بات کی تردید ہوجاتی ہے البتہ یہ کہنا مشکل ہوگا کہ طبع اول اور ۱۳۰۸ھ والی طبع کے درمیان یہ کتاب التوحید (مترجم شرر) کس قدر اور کب کب شائع ہوئی۔

(۷)

فرماتے ہیں: "مسلک سلف محدثین کی تجدید واحیا کے لئے امام ابوطیب شمس الحق نے متعدد علماء کو تیار کیا اور ان کی علمی تربیت کی۔۔۔ مولانا محمد سعید بنارسی کو تائید مسلک

محدثین کے لئے تیار کیا ان سے مولانا رشید احمد گنگوہی کی "اوثق العریٰ" کے جواب میں " کسر العریٰ باقامۃ الجمعۃ فی القری" لکھوائی اور اپنے خرچ پر طبع کروائی۔ (دبستان نذیریہ، ص ۵۷۵،۶۷)

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ محدث شمس الحق عظیم آبادی نے کئی ایک علمائے اہل حدیث کی علمی تربیت کی اور جو کچھ بھی ان سے بن پڑتا تھا کرتے تھے، لیکن یہ کہنا کہ محدث ڈیانوی نے محدث محمد سعید بنارسی کو تیار کیا یہ مبالغہ ہے، اس دعوے کی تائید میں دلیل بغیر حوالے کے یہ پیش کی کہ کسر العریٰ۔۔لکھوائی اور اپنے خرچ پر طبع کروائی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کو لکھنے کی وجہ محدث بنارسی ہی سے نقل کردی جائے:

"عرصہ ہوا ایک دوست نے رسالہ اوثق العریٰ مولفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی خاکسار کے پاس بھیجا۔۔۔ ہمارے شیخ الکل حجۃ السلف والخلف مولانا سید نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین کی ایک تحریر مصدقہ پر آپ نے ہاتھ صاف کیا ہے اور نیز آپ کی تحریر سے ایک فتنہ برپا ہورہا ہے اور بہت سی جگہ جمعہ متروک ہوگیا ہے لہٰذا خاکسار نے حسب تحریک ایک خیرخواہ اہل حدیث رئیس المحدثین علامہ فہامہ مولانا شمس الحق صاحب کے اس کا جواب لکھنا مناسب سمجھا۔(کسر العری باقامۃ الجمعہ فی القری، ص ۱،۲)

یعنی جواب لکھنے کی بنیادی وجہ گنگوہی صاحب کی تحریر میں شیخ الکل کی مصدقہ تحریر کی تردید اور اس رسالے سے فتنہ پھیلنا تھا پھر محدث ڈیانوی کی تحریک سے اس کا جواب لکھا گیا۔ یہ رسالہ سعید المطابع بنارس سے ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوا، اس تحریر میں ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ یہ محدث ڈیانوی کے خرچ سے شائع ہوا ہو پھر مدعی نے بھی اس کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا کہ یہ بات ان کو کیسی معلوم ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا کسی سے کوئی کتاب لکھوانا اس کو تیار کرنا کہلاتا ہے؟ کتنے کم علم لوگ علماء سے کتابیں لکھواتے ہیں کہ مولانا فلاں کتاب کا جواب دیجئے اور علماء اس کام کی اہمیت جانتے ہوئے لکھتے بھی ہیں تو کیا اب یہ کہا جائے گا کہ فلاں نے فلاں فلاں عالم کو تیار کیا؟ ہرگز نہیں، یہ بہت عام سی بات ہے کہ کسی کو علمی طور پر تیار کرنے والا عالم ہوتا ہے، محدث بنارسی کا ایک خاص مقام ہے اور ان کی خدمات بڑی جاندار و شاندار ہیں، نیز کئی بڑے بڑے لوگ ان سے پڑھ کر گئے۔۔۔۔

محدث ڈیانوی کی خدمات کو ایک جہاں نے تسلیم کیا ہوا ہے، ان کی علمی خدمات کو آج دنیا جانتی ہے اور جماعت اہل حدیث کو اس بات پر فخر ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں محدث ڈیانوی جیسے لوگ اس جماعت کا حصہ تھے لہٰذا محدث ڈیانوی کا نام اس بات کا محتاج نہیں کہ محدث بنارسی جیسی عظیم شخصیت کو ان کا تیار کردہ کہا جائے۔

غور کیجئے کہ کسری العریٰ۔۔۔ جو محدث ڈیانوی کی تحریک سے تیار ہوئی ۱۳۱۸ھ کی ہے۔ اگر ہم وہی بات قبول کرلیں جو مصنف دبستان نذیریہ نے بیان کی تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ اس سن (۱۳۱۸ھ) سے قبل محدث بنارسی اس میدان میں نہیں اترے تھے جب کہ یہ بات بالکل غلط ہوگی۔ محدث بنارسی کے چند کام ۱۳۱۸ھ سے قبل کے دیکھ لئے جائیں تو اس غلط بات کی تکذیب ہوجاتی ہے۔

۱۔طریق النجاح الاصلاح فی جواب طریق الفلاح
۲۔ہدایت القلوب القاسیہ فی ردگلزار آسیہ
۳۔عمارۃ المساجد بہدم اساس جامع الشواہد
۴۔الجہر بالتامین بالردعلی القول المتین
۵۔الشیع والری بالردعلی عبدالحی
۶۔اقبال الحی بالردعلی عبدالحی
۷۔سیف الابرار علی راس الاشرار
۸۔ہدایت المرتاب بردمافی کشف الحجاب
۹۔البرہان الجلی فی ردالدلیل القوی
۱۰۔کشف الارتیاب عن اجوبۃ المرتاب۔

یہ سارے کام ۱۳۱۸ھ سے قبل کے ہیں پھر محدث بنارسی کی مناظرانہ سرگرمیاں دیکھیں نیز صحافت کے میدان میں بہت پہلے داخل ہو چکے تھے اوراس کے ذریعے مسلک اہل حدیث کا خوب پرچار بھی کیا۔ پھر ان کی تدریسی خدمات کا جائزہ لیں تو نہ معلوم کتنے بڑے نام ایسے نظر آئیں گے جو محدث بنارسی کے زیر اثر رہ کر تیار ہوئے۔ اصلاً دیکھا جائے تو محدث بنارسی کو تیار کرنے میں ایک طرف ان کے اساتذہ کا ہاتھ ہے تو دوسری طرف نواب صدیق حسن خان کا۔محدث بنارسی کے مطابق:

"(مولانا محمد سید نذیرحسین صاحب مرحوم مغفور محدث) نے مجھ کومثل فرزندوں کے رکھا"۔(تذکرۃ السعید، ص۱۵)

شیخ الکل نے ایک سے زائد بار محدث بنارسی کی طرف اہل بدعت کے رسائل تردید کے واسطے روانہ کئے اور رابطے میں بھی رہتے تھے۔محدث بنارسی کی صلاحیتوں کو ابھارنے میں نواب صدیق حسن خان کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے،محدث بنارسی کے مطابق:

"اللہ نے اسلام میں بھی مجھ کو اتنا ہی بڑھایا، اپنے بندوں میں سے ایک خاص مقبول بندے کو میرے حال پر مہربان کردیا،جس کے باعث مجھ کو کامل غنا ہوئی۔۔۔۔مبلغ ۵۰ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی تھی۔۔۔۔مکان بھی ان ہی کی اعانت سے بنوایا،مطبع بھی قائم کرلیا "(تذکرۃ السعید، ص۱۵)

ان مختصر گزارشات کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محدث بنارسی کومحدث ڈیانوی نے تیار کیایاان کی علمی تربیت کی یہ بالکل بھی درست نہیں نہ اس سے محدث ڈیانوی کا مقام بڑھنا ہے اور نہ ہی محدث بنارسی کوان کا تربیت یافتہ کہہ کرمحدث بنارسی کا درجہ بلند ہونا ہے۔

(۸)

"مولانا محمد ابراہیم آروی جب حجاز مقدس پہنچے توخبر ملی کہ حجاز مقدس میں کچھ قادیانی عناصر سر اٹھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ قادیانیت کا شجرۃ الزقوم اعلانیہ اپنے عقائد کے ساتھ برگروبار نہیں لاسکتا تھا۔۔۔۔ مولانا عبدالحمید رحمانی، شیخ محمد نصیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" شیخ نے ایک مرتبہ بتایا کہ علامہ آروی نے مکہ کے مشہور مطوف شیخ جمیل اللیل کے گھر میں دوبار مناظرہ بھی کیا۔ایک مرتبہ شیعوں کے ساتھ ایک مرتبہ بعض قادیانیوں سے۔

شیخ محمد نصیف کے لئے مناظرہ نئی چیز تھی،اس لئے وہ

اپنے چند احباب کے ساتھ جدہ سے مکہ خاص طور پر یہ مناظرہ دیکھنے کے لئے گئے تھے۔دونوں مناظروں میں فتح علامہ آروی کی حلیف رہی،حجاز مقدس میں ہونے والا یہ پہلا اورآخری مباحثہ تھا جس کے بعد قادیانیت کے لئے سرزمین حجاز میں داخلے کا کوئی امکان باقی نہ رہا"۔ (دبستان نذیریہ،ص ۴۸۲،۴۸۳)

ماحصل اس اقتباس کا یہ ہے کہ قادیانیت کا ظہور حجاز میں ہو چکا تھا جس کی موت مولانا ابراہیم آروی کے مناظرے سے واقع ہوئی اور پھر کبھی حجاز میں قادیانیت داخل نہ ہوسکی۔

نہایت ہی اختصار کے ساتھ ذرا اس دور کا جائزہ لیتے ہیں۔ہندوستان میں جب مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا اور خود مثیل مسیح ہونے کا اعلان کیا تو ہندوستان بھر میں ان کے خلاف علمائے کرام کا سخت رد عمل سامنے آیا،ان کے خلاف کتابیں لکھی گئیں،مناظرے ہوئے مذہبی اخبارات میں اس فتنے کی حقیقت بیان کی گئی اورعوام کو اس گمراہی سے آگاہ کیا گیا حتی کہ بات مباہلے تک بھی پہنچ گئی اور مرزا قادیانی اور شیخ عبدالحق غزنوی کے درمیان مباہلہ ہوا جس کے نتیجے میں مرزا قادیانی شیخ عبدالحق غزنوی کی زندگی میں مرا اور مباہلے کی حقیقت دنیا نے دیکھی اورحق و باطل میں خوب فیصلہ ہوگیا۔خیر مرزائیت کے خلاف تحریک ختم نبوت کی خدمات کا باب نہایت وسیع ہے جس کو یہاں ذکر کرنا تو دور اشاروں میں بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔

بات یہ ہے کہ ہندوستان میں مرزائیت کے خلاف اس دور کے علماء نے جو کچھ کیا آیا اہل حجاز اس سب سے بے خبر تھے؟ بالکل نہیں بلکہ مرزائیت کے خلاف فتاویٰ جب ہندوستان میں مرتب ہوئے تو ایسا بھی ہوا کہ حجاز والوں کو بھی فتنہ مرزائیت سے آگاہ کیا گیا اور وہاں سے مرزائیت کے خلاف فتاویٰ طلب کئے گئے جو ہندوستان میں نشر بھی ہوئے۔اسی طرح مرزا قادیانی سے لوگوں نے یہ بھی کہا کہ حجاز چل کر فیصلہ کر لیتے ہیں اور وہاں کے علماء کو حکم بنا لیتے ہیں لیکن مرزا قادیانی جانتا تھا کہ ایک بار وہاں گیا تو میں واپس نہیں آسکوں گا اس لئے اس چیز کے لئے آمادہ ہونا تو دور اس بات کو مرزا قادیانی اپنے خیال میں لانا بھی پسند نہ کرتا ہوگا۔پھر مختلف لوگ یہاں سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے جاتے تھے پھر عمرے کے لئے جانے والے بھی کثرت سے تھے وہ وہاں جا کر مرزا اور مرزائیت سے اہل حجاز کو آگاہ کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ ان سے فتویٰ پوچھا اور واپسی پر اپنے ملک آکر اس سے اپنے وطن کے باشندوں کو آگاہ بھی کیا۔

قصہ مختصر یہ کہ اہل حجاز اس فتنے سے واقف تھے نیز کوئی نرم گوشہ ان کے لئے نہیں رکھتے تھے اور وہی صاف نظریہ تھا جو ہندوستان کے علماء کا تھا۔اب ذرا اس بات کا جائزہ لیتے ہیں۔

اس واقعہ کو جس نے بھی نقل کیا وہ شیخ عبدالحمید رحمانی کے حوالے سے ہی پیش کرتا ہے اور شیخ عبدالحمید کے مطابق انہوں نے خود اس بات کو شیخ محمد نصیف سے سنا۔

شیخ محمد نصیف کی تاریخ پیدائش ۱۳۰۲ھ اور تاریخ وفات ۱۳۹۱ھ۔۸۹ سالہ قمری زندگی گزاری اور پھر اس دنیا

سے رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے، آمین۔

اب دیکھتے ہیں کہ شیخ عبدالحمید رحمانیکی شیخ محمد نصیف سے کب ملاقات ہوئی!

بقول شیخ عبد الحمید رحمانی: ۱۹۶۶"ء میں اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ میں علوم دینیہ وادبیہ کی تکمیل کے لئے مجھے مدینہ منورہ کے سفر کا شرف حاصل ہوا۔۔۔۔ ۲۵ نومبر ۱۹۶۶ کی شام کو ہم جدہ سے ہوائی جہاز سے اترے۔ (مجموعہ مقالات، ۲/ ۱۳)

یعنی شیخ عبدالحمید رحمانی ماہ شعبان میں جدہ پہنچے البتہ ان کی ملاقات شیخ محمد نصیف سے موسم حج میں ہوئی۔ اس وقت شیخ نصیف کی عمر تقریباً ۸۴ برس (قمری) تھی۔ اب اس بات کا ذکر نہیں ملتا کہ شیخ عبدالحمید نے یہ واقعہ شیخ محمد نصیف سے پہلی ملاقات ہی میں سن لیا تھا یا بعد کی ملاقاتوں میں! خیر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ شیخ محمد نصیف اس پہلی ملاقات کے وقت ہی خاصے عمر رسیدہ تھے، شیخ کا حافظہ بھی کمزور ہو چکا تھا، جس کا اندازہ اس حوالے سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

شیخ عبدالحمید رحمانی فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ اثناء گفتگو میں نے علامہ آروی کی تاریخ ۱۳۱۹ھ کا ذکر کر دیا جس کا ذکر قاضی فضل حسین صاحب مظفر پوری نے شیخ الاسلام نذیر حسین کی سوانح حیات "الحیات بعد الممات" میں کیا۔

آپ نے فوراً فرمایا یہ غلط ہے۔ علامہ آروی کی وفات ۱۳۲۱ھ میں ہوئی ہے۔ مکہ میں زبردست کالرا پڑا ہوا تھا، اسی میں آروی کی وفات ہوئی۔ شیخ کی مضبوط قوت حافظہ کا مجھے علم تھا، لیکن اس کے باوجود میں نے دوبارہ یادداشت پر زور ڈالنے کی گزارش کی۔ انہوں نے دوبارہ غور کر کے مکمل اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ تاریخ وفات ۱۳۲۱ھ ہی ہے " (مجموعہ مقالات، ۲/ ۲۲)

مولانا ابراہیم آروی کی تاریخ وفات ۱۳۱۹ھ ہی ہے، شیخ محمد نصیف کو سہو ہوا۔

شیخ عبدالحمید رحمانی شیخ نصیف سے مزید نقل کرتے ہیں:

"اس وقت کی روایات کے مطابق دونوں مناظروں میں اعلان کے لئے "ڈف" اور "ڈھول" بھی بجایا گیا"۔ (مجموعہ مقالات ۲/ ۲۳)

معلوم ہوا کہ یہ مناظرہ چوری چھپے نہیں ہوا تھا بلکہ اعلانیہ ہوا، اور ظاہر ہے اگر ڈھول ہی پیٹ دیا ہے تو اس واقعہ نے خوب شہرت بھی پکڑی ہوگی لیکن ذرا غور فرمائیں کہ اس وقت جو لوگ قادیانی ہوئے وہ بالاتفاق مرتد تھے اور مرتد کی سزا سے صاحب مطالعہ اہل ایمان اچھی طرح واقف ہیں، کیا یہ ممکن تھا کہ مرتدین سے مناظرہ ہوا اور وہ بھی سرزمین حجاز میں اوپر سے کھلم کھلا اور اس کے بعد حکومت وقت ان کو نہ پکڑے؟ جب کہ اس زمانے میں وہاں کا حال یہ تھا کہ اس واقعہ سے چند برس قبل شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کو مکہ میں پکڑ لیا گیا وہ بھی بغیر کسی جرم کے، محض جھوٹے الزامات سے کام لیا گیا لیکن شیخ الکل پھر بھی تکلیف میں آ گئے، اس کی تفصیل اشاعت السنہ، نصرۃ السنہ، الحیات بعد الممات وغیرہ میں موجود ہے، اس طرح کے

کئی ایک واقعات ہیں لیکن سوچیں کہ قادیانیت کے کفر پر تو یہاں اور وہاں والے سب متفق تھے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس قدر کھل کر مناظرہ تک ہوگیا اور معاملہ پھر دفن بھی ہوگیا۔

"شیخ محمد نصیف کے ہندوستان کے علماء اہل حدیث سے گہرے تعلقات تھے۔ ہندوستان سے انہیں اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنے لائق ترین فرزند عمر نصیف کی شادی مولانا شرف الدین الکتبی بمبئی کی صاحب زادی سے کی جو ایک صالح خاتون تھیں۔۔۔۔ شیخ الاسلام علامہ امرتسری، عبدالواحد غزنوی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا ابوعبداللہ محمد بن یوسف سورتی، حاجی علی جان خاندان کے مولانا عبد الوہاب دہلوی، شیخ مظہر حسین، شیخ عبدالرحمان مظہر، مولانا احمد دہلوی اور حافظ حمید اللہ وغیرہ کے ساتھ آپ کے گہرے تعلقات تھے۔۔۔ علامہ امرتسری، مولانا محمد سورتی اور عبد التواب اور مولانا احمد دہلوی سے آپ کی خط وکتابت بھی تھی"۔(مجموعہ مقالات، ۲/۲۱۶)

اس قدر گہرے تعلقات ان مشائخ کے ساتھ حتی کہ فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ کے ساتھ خط وکتابت بھی تھی لیکن حجاز میں کھلے عام مناظرہ ہوگیا، ابراہیم آروی نے قادیانیت کو بے بس کر دیا لیکن یہ خبر ہندوستان نہیں پہنچی حالانکہ ایسی خبریں اس دور کی کتب ورسائل کا عام حصہ ہوتی تھیں کہ فلاں جگہ فلاں فلاں کا مناظرہ ہوا، فلاں بھاگ گیا ایسے ویسے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ رسالہ ضیاء السنہ میں ابراہیم آروی کی وفات پر سطریں ظاہر ہوئی تھیں لیکن نہ یہاں نہ کسی اور اخبار نہ ہی کسی کتاب میں اس مناظرے کی خبر کو جگہ مل سکی۔

شیخ عبدالحمید رحمانی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"علامہ ابومحمد ابراہیم آروی پر ان کی آخری زندگی میں۔۔۔۔ اسلامیان عالم اور مسلمانان حرمین کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یہاں جب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قادیانیت کا شجرۃ الزقوم یہاں بھی موجود ہے، چنانچہ اساطین حجاز کی موجودگی میں آپ نے معلم "جمیل اللیل" کے مکان میں قادیانیوں سے مناظرہ کر کے انہیں شکست فاش دی اور حرمین کی مقدس سرزمین کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کیا"۔ (مجموعہ مقالات ۲ / ۲۹۰، تحریک ختم نبوت ۲/ ۲۷۴)

اس سے معلوم ہوا کہ قادیانیت وہاں بس رہی تھی اور ان کا خاتمہ مناظرے سے ہوا، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ قادیانیت اس دور میں حجاز میں کبھی بھی کھل کر رہی ہی نہیں نہ ہی آج ایسا ہے، یہ لوگ ہمیشہ چھپ چھپا کر اور اپنی مذہبی شناخت عام طور پر چھپا کر ہی حجاز کا رخ کرتے ہیں اور مناظرے کا اس مقام پر اس طرح کھل کر اور باقاعدہ روایات کے مطابق ڈھول پیٹا جائے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بہت ممکن ہے کہ شیخ عبدالحمید سے بھی نقل میں کچھ غلطیاں ہوئی ہوں جیسا کہ دیگر مقامات پر ان کا قلم خلاف حقائق چل گیا، مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"انگریز صرف ایک مرتبہ ۱۳۰۰ھ میں میاں صاحب پر ہاتھ ڈالنے اور ایک سال کے لئے انہیں راولپنڈی جیل میں بند کرنے کا موقع پاسکا"۔ (مجموعہ مقالات ۲/ ۲۸۹)

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ شیخ الکل ۱۳۰۰ھ

میں انگریز کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ایک سال راولپنڈی جیل میں رہے، یہ واقعہ ۱۳۰۰ھ سے کافی پہلے کا ہے۔اس زمانے (۱۳۰۰ھ) میں تو شیخ الکل فی الکل سفر حج کی تیاری میں تھے اور وہاں مخالفین کے جھوٹے الزامات کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔

ایک مقام پر شیخ عبدالحمید فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے جن آئمہ علم و ہدی نے اس "مدعی نبوت" کے ارادوں کو بھانپا اور اس کی اندرونی گندگیوں اور مکروفریب سے پردہ اٹھایا، وہ تین تھے:

۱۔حضرت الامام سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی جنہوں نے ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء میں دہلی میں اس سے مناظرہ کر کے اسے شکست دی اور اس کے خلاف کفر کا ایک زبردست فتویٰ مرتب کرایا۔(مجموعہ مقالات: ۲/۵۰)

شیخ الکل کا مناظرہ مرزا قادیانی سے نہیں ہوا تھا، مناظرہ علامہ بشیر سہسوانی اور مرزا قادیانی کے درمیان ہوا تھا۔پھر یہ ۱۸۹۱ء بنتا ہے نہ کہ ۱۸۹۲ء اور اس مناظرے کی روئیداد (الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح) اسی دور میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی، کل صفحات ۱۳۶ تھے۔ پھر یہ کہنا کہ شیخ الکل کے حکم پر فتویٰ مرتب کیا گیا اس کا ذکر تو کہیں نہیں ملتا البتہ علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی (مظلوم) نے فتوی ترتیب دیا تھا۔ پھر یہ بات بھی درست نہیں کہ سب سے پہلے مرزا قادیانی کو شیخ الکل نے بھانپا، صحیح بات یہ ہے کہ علامہ ابوسعید محمد حسین بٹالوی (مظلوم) نے پکڑا اور پھر تاحیات مرزا اور مرزائیت کا ایسا پیچھا کیا کہ مرزا اور مرزائی روپڑے اور آج تک ان کے آنسو بند ہونے کا نام نہیں لیتے۔

بات لمبی ہوگئی، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ پر آنکھ بند کر کے اعتماد کر لینا درست نہیں پھر اس میں جو کمزوریاں ہیں ان پر ہم پیچھے روشنی ڈال آئے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس واقعہ کو مکمل طور سے جھٹلا دیا جائے یا کوئی اور صورت بھی ہے؟

ہمارے مطابق بہت ممکن ہے کہ دونوں مناظرے شیعوں کے ساتھ ہوئے ہوں اور جیسے بھی اور جس بھی طرح ہم تک پہنچے تو اتنا طویل سفر طے کرتے کرتے ایک مناظرہ مرزایوں سے بن گیا ہو۔دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کچھ مرزائی زیارت کے واسطے وہاں اپنی شناخت چھپا کر پہنچے ہوں اور مولانا ابراہیم آروی اور ان کے درمیان خاموشی سے گھر میں مرزائیوں کو سمجھانے کے لئے ایک محفل جم گئی ہو اور مرزائی مولانا ابراہیم آروی جیسے عالم فاضل ذہین وفطین کے دلائل کے آگے زیر ہو گئے ہوں۔

باقی ڈھول بجنا، مرزائیت کا پہلے سے وہاں موجود ہونا، تبلیغ کرنا، راہ ہموار کرنے کے لئے سرگرم ہونا وغیرہ وغیرہ سب مبالغہ آرائی کا نتیجہ ہے۔اب یہ کہاں اور کس سے مبالغہ کرنے میں زیادتی ہوئی اور کس سے کی تو اس کھوج کھاج کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۹)

"ہمارے محترم معاصر محقق شیخ محمد عزیر شمس اور مولانا محمد مستقیم سلفی کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے "فوز الکملۃ" کو مولانا الٰہی بخش بڑاکری کی تصنیف سمجھ لیا"۔ (دبستان نذیریہ،ص ۳۹۴)

مصنف دبستان نذیریہ کا یہ ماننا ہے کہ ایک ہی عہد میں دو الٰہی بخش گزرے ہیں، دونوں بہاری تھے اور دونوں شیخ الکل فی الکل کے شاگرد بھی تھے اور شیخ عزیر شمس حفظہ اللہ اور شیخ محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ نے غلطی سے دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ اسی لئے دبستان نذیریہ میں صفحہ ۵۳۳ تا ۳۶۳ ایک الٰہی بخش کے حالات پیش کئے گئے اور ۳۹۳ تا ۳۹۴ پر دوسرے کے۔

عرض ہے کہ اس میں کوئی عجیب بات نہیں اور ایسا ہونا بالکل ممکنات میں سے ہے لیکن اس کو ثابت کرنے کے لئے ٹھوس دلیل درکار ہے۔ مصنف دبستان نذیریہ ممکن ہے اپنے دعوے میں صحیح ہوں لیکن ثابت نہیں کر سکے۔

ان دو کو الگ الگ ثابت کرنے کے لئے ولدیت سے فرق کیا جا سکتا ہے لیکن دبستان نذیریہ میں ایک کی ولدیت مسیح اللہ بن محمد یوسف عظیم آبادی تو نقل کر دی گئی (ص : ۳۹۳) مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا، خیر یہ بات "فوؤس الکملۃ" کے ٹائٹل سے معلوم ہو جاتی ہے، لیکن دوسرے کی ولدیت کا ذکر نہیں۔ پھر تاریخ ولادت کسی معتبر ذریعے سے پیش کر کے فرق کیا جا سکتا تھا لیکن دونوں کی تاریخ پیدائش کا علم مصنف دبستان نذیریہ کو نہ تھا شاید اس لئے نقل کرنے سے رہ گئے۔

پھر نسل اور خاندان سے فرق ثابت کر کے الگ الگ فرد ہونے کا دعویٰ پورا کیا جا سکتا تھا لیکن ایک کے بارے میں بتا دیا گیا کہ ان کا تعلق سوری خاندان سے تھا لیکن دوسرے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خیر جس کا ذکر کیا کہ وہ سوری خاندان سے تھے حوالہ نہیں دیا لیکن قارئین کی سہولت کے لئے ہم بتا دیتے ہیں کہ یہ بات تاریخ اطبائے بہار جلد دوم میں موجود ہے۔ اساتذہ و تلامذہ سے بھی فرق ثابت کیا جا سکتا تھا لیکن ایک کے اساتذہ کا بتایا کہ الٰہی بخش (بڑاکری) نے کتب درسیہ بہار کے جلیل القدر عالم علیم الدین حسین نگر نہسوی سے پڑھیں۔ کتب تفسیر و حدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی میں شیخ الکل سید میاں نذیر حسین کے باب علم پر دستک دی۔ (دبستان نذیریہ: ۳۵۵، ۳۵۶) لیکن دوسرے الٰہی بخش کے اساتذہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

ایک کے آٹھ (۸) شاگردوں کے نام ابوطاہر بہاری کے مضمون سے ترتیب بدل کر نقل کر دیئے لیکن دوسرے کا کوئی شاگرد نہ مل سکا۔ پھر تدریسی خدمات اور مختلف مقامات پر الگ الگ تدریسی خدمت سرانجام دینا ثابت کرتے تو بھی کچھ بات بن جاتی لیکن یہاں بھی ایک کی خدمات کا ذکر تو ہوا لیکن دوسرا پھر محروم رہ گیا۔ اور بھی کچھ طریقے تھے جن کو استعمال میں لا کر ایک کو دو دلیل سے ثابت کر سکتے تھے لیکن موجودہ صورت حال پر نظر ڈالیں تو الٰہی بخش عظیم آبادی جن کا ذکر دبستان نذیریہ، ص ۳۹۳۔ ۳۹۴ پر کیا گیا ان کی تو شیخ الکل سے نسبت تلمذ تک ثابت نہیں ہوئی۔

ہاں تاریخ وفات ایک کی ۴ جنوری ۱۹۱۶ بتائی اور دوسرے کی مارچ ۱۹۱۹ء۔ اس چیز سے کچھ جان تو پڑ جاتی ہے لیکن یہ بات مشہور و معروف ہے اور اسکا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سنین کی نقل میں غلطی ہو سکتی ہے لہٰذا اس مشکل صورت میں کمزور بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

●●●

رمضان کا استقبال کیسے کریں؟

مقبول احمد سلفی
اسلامی دعوہ سنٹر، طائف (سعودی عرب)

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، ہر طرف مومن کے اندر اس کے تئیں اظہار مسرت ہے۔ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس کا انتظار مومن آدمی سال بھر کرتا ہے، کیونکہ یہ نیکی، برکت، بخشش، عنایت، توفیق، عبادت، زہد، تقوی، مروت، خاکساری، مساوات، صدقہ وخیرات، رضائے مولی، جنت کی بشارت، جہنم سے گلوخلاصی کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مقدس میں مومن کے اندر فکر آخرت کے ذریعہ رب سے ملاقات کی خواہش بیدار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ اس قدر پاکیزہ ومحترم مہینہ۔ یہ رب کی طرف سے اس پر ایمان لانے والوں کے لئے عظیم تحفہ ہے۔ اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ اس عظیم الشان ماہ کا کیسے استقبال کریں اور کس عمدگی سے اس مہینے کے فیوض وبرکات سے اپنے دامن کو نیکیوں کی موتی سے بھر لیں۔

رمضان کا استقبال کیسے کریں؟

اپنے ذہن میں ذرا تصور پیدا کریں کہ جب آپ کے گھر کسی اعلی مہمان کی آمد ہوتی ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ کا جواب ہوگا۔ ہم بہت ساری تیاریاں کرتے ہیں۔ گھر آنگن کو خوب سجاتے ہیں۔ خود بھی ان کے لئے زینت اختیار کرتے ہیں۔ پورے گھر میں خوشی کا ماحول ہوتا ہے۔ بچوں کے لب پہ نغمے، چہرے پہ خوشی کے آثار ہوتے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع کیلئے ان گنت پر تکلف سامان تیار کئے جاتے ہیں۔ جب ایک مہمان کے لئے اس قدر تیاری تو مہمانوں میں سب سے اعلی اور رب کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان ہو تو اس کی تیاری کس قدر پرزور ہونی چاہئے؟ آیئے اس تیاری سے متعلق آپ کے لئے ایک مختصر خاکہ پیش کرتا ہوں۔

(1) عظمت کا احساس

رمضان کا مہینہ بیحد عظیم ہے، اس کی عظمت کا احساس اور قدر ومنزلت کا لحاظ آمد رمضان سے قبل ہی ذہن ودماغ میں پیوست کر لیا جائے تاکہ جب رمضان میں داخل ہوں تو غفلت، سستی، بے اعتنائی، ناقدری، ناشکری، احسان فراموشی اور صیام وقیام سے بے رغبتی کے اوصاف رذیلہ نہ پیدا ہوں۔

یہ اتنی عظمت وقدر والا مہینہ ہے کہ اس کی ایک رات کا نام ہی قدر ومنزلت ہے۔

[اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ‌ۚ، وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِؕ، لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍؕ، تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ

كُلِّ اَمْرٍ، سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ] (سورة القدر)

ترجمہ: بیشک ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر یعنی باعزت وخیروبرکت والی رات میں نازل کیا ہے۔اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس رات میں فرشتے اور جبریل روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر حکم لے کر آترتے ہیں۔وہ رات سلامتی والی ہوتی ہے طلوع فجر تک۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ رمضان کی ایک رات ہی قدر کی رات ہے بلکہ اس کا ہر دن اور ہر رات قدرومنزلت کی حامل ہے۔

(2) نعمت کا احساس

رمضان جہاں رب کا مہمان ہے وہیں اس کی طرف سے ایک عظیم نعمت بھی ہے۔عام طور سے انسان کو اس نعمت کا احساس کم ہی ہوتا ہے جو حاصل ہو جاتی ہے لیکن جو نہیں مل پاتی اس کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ایک بینا کو آنکھ کی نعمت کا احساس کم ہوتا ہے اس لئے اس کا استعمال فلم بینی اور برائی کے مشاہدے میں کرتا ہے۔اگر اسے یہ احساس ہو کہ یہ رب کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہئے تو کبھی اپنی آنکھ سے برائی کا ادراک نہ کرے۔ بینا کی بنسبت اندھے کو آنکھ کی نعمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ یہ فرق ایمان میں کمی کا سبب ہے۔جس کا ایمان مضبوط ہوگا وہ ہر نعمت کی قدر کرے گا۔ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم رمضان جیسے مقدس مہینے کی نعمت کا احساس کریں اور اس احساس کا تقاضہ ہے کہ اس نعمت پہ رب کی شکرگذاری ہو جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

[وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ] (ابراہیم:۷)

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکرگزاری کرو گے،تو بیشک میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت ہی سخت ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

[اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ،جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ] (ابراہیم:۲۸-۲۹)

ترجمہ: کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ تعالی کی نعمت کے بدلے ناشکری کی اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لا اتارا یعنی جہنم میں،جس میں یہ سب جائیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔

نعمت میں رمضان جیسا مہینہ نصیب ہونا بھی نعمت ہے اور صحت وتندرستی اس پہ مستزاد ہے۔ان نعمتوں کا احساس کیوں نہ کریں کہ ان نعمتوں کے بدلے ہمیں ہر قسم کی نیکی کی توفیق ملتی ہے۔روزہ،نماز،صدقہ،خیرات،دعا،ذکر، انابت الی اللہ، توبہ، تلاوت، مغفرت، رحمت وغیرہ ان نعمتوں کی دین ہے۔

(3) انابت الی اللہ

جب ہم نے اپنے دل میں مہمان کی عظمت بحال کرلی، اس عظیم نعمت کی قدرومنزلت کا بھی احساس کرلیا تو اب ہمارا یہ فریضہ بنتا ہے کہ دنیا سے رخ موڑ کے اللہ کی طرف لوٹ جائیں۔ ''انابت الی اللہ'' عظمت اور نعمت کے احساس میں مزید قوت پیدا کرے گی۔ اللہ کی طرف لوٹنا صرف رمضان کے لئے نہیں ہے بلکہ مومن کی زندگی ہمیشہ اللہ کے حوالے اور اس کی مرضی کے حساب سے گذرنی چاہئے۔ یہاں صرف بطور تذکیر ذکر کیا جارہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو بندہ رب سے دور ہوکر روزہ کے نام پہ صرف بھوک اور پیاس برداشت کرے۔ اگر ایسا ہے تو روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے رب کی طرف لوٹیں، اس سے تعلق جوڑیں اور اس کو راضی کریں پھر ہماری ساری نیکی قبول ہوں گی۔

انابت الی اللہ سے میری مراد، ہم رب پر صحیح طور سے ایمان لائیں، ایمان باللہ کو مضبوط کریں، عبادت کو اللہ کے لئے خالص کریں، رب پہ مکمل اعتماد کریں، اللہ کو سارے جہاں کا حاکم مانیں، خود کو اس کا فقیر اور محتاج جانیں، کسی غریب ومسکین کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں، ناداروں کی اعانت کریں، بیماری ومصیبت میں اسی کی طرف رجوع کریں۔ یہ ساری باتیں انابت الی اللہ میں داخل ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، لمبے لمبے قیام اللیل کرتے ہیں مگر غیر اللہ کو پکارتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کو اوروں کو مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ بیماری اور مصیبت میں مردوں سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا روزہ کیسے قبول ہوگا؟ گویا ایسے عقیدے والوں کا مکمل رمضان اور اس کی نیکیاں ضائع ہوگئیں۔ اللہ تعالی کا فرمان لاریب ہے۔

[وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ] (الزمر:65)

ترجمہ: یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تونے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہوجائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہوجائے گا۔

اس لئے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں۔

(4) پیش قدمی

اس کے دو پہلو ہیں:

(الف) منکر سے اجتناب (ب) معروف کی رغبت

(الف) منکر سے اجتناب: رمضان کے استقبال میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے گذشتہ گناہوں سے سچی توبہ کریں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرلیں۔ دیکھا جاتا ہے لوگ ایک طرف نیکی کرتے ہیں تو دوسری طرف بدی کرتے ہیں۔ اس طرح اعمال کا ذخیرہ نہیں بن پاتا بلکہ بدی کے سمندر میں ہماری نیکیاں ڈوب جاتی ہیں۔ ویسے بھی ہمارے پاس نیکی کی کمی ہے وہ بھی ضائع ہوجائے تو نیکی کرنے کا فائدہ کیا؟ اس لئے نیکی کو اگر بچانا چاہتے ہیں اور رمضان المبارک کی برکتوں، رحمتوں، نعمتوں، بخششوں اور نیکیوں کو بچانا چاہتے ہیں تو بدی

سے مکمل اجتناب کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

[قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ] (التوبۃ:۳۵)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ تم خوشی یا ناخوشی کسی بھی طرح خرچ کرو قبول تو ہرگز نہ کیا جائے گا، یقیناتم فاسق لوگ ہو۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالی فسق وفجور اور ناپسندیدگی سے خرچ کرنے کی وجہ سے صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔

اورحدیث میں ہے صحابہ بیان کرتے ہیں:

”كنا مع بريدة في يوم ذي غيم فقال : بكروا بالصلاة فان النبي ﷺ قال: من ترك صلاة العصر حبط عمله“۔ (صحیح البخاری:۴۹۵)

ترجمہ: ہم لوگ بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی غزوہ میں بارش والے دن تھے تو انہوں نے کہا کہ نماز عصر جلدی پڑھو، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص عصر کی نماز چھوڑ دے تو اس کا (نیک) عمل ضائع ہوجاتا ہے۔

جوآدمی عبادت بھی کرے اور گناہ کا کام بھی کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا نیک عمل مردود ہے۔ [إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ] (العنکبوت:۵۴)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز بے حیائی وبرائی کے کام سے روکتی ہے تو جو نماز یا روزہ بے حیائی سے نہ روکے وہ اللہ کے یہاں قابل رد ہے۔

(ب) معروف کی رغبت: رمضان بھلائی کمانے کے واسطے ہے، اللہ تعالی مومنوں کو متعدد طریقے سے اس مہینے میں بھلائی سے نوازتا ہے۔ہمیں ان بھلائیوں کے حصول کی خاطر رمضان سے پہلے ہی کمربستہ ہوجانا چاہئے اور مواقع حسنات سے مستفید ہونے کے لئے برضا ورغبت ایک خاکہ تیار کرنا چاہئے تاکہ ہرقسم کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔ سمجھ کر قرآن پڑھنے کا اہتمام (کم از کم ایک ختم)، پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نفلی عبادات، صدقہ وخیرات، ذکرواذکار، دعاومناجات، طلب عفوودرگذر، قیام اللیل کا خاص خیال، روزے کے مسائل کی معرفت بشمول رمضان کے مستحب اعمال، دروس وبیانات میں شرکت، اعمال صالحہ پہ محنت ومشقت اور زہدوتقوی سے مسلح ہونے کا مکمل خاکہ ترتیب دیں اور اس خاکے کے مطابق رمضان المبارک کا روحانی ومقدس مہینہ گذاریں۔

رمضان میں ہرچیز کا ثواب دوچند ہوجاتا ہے اور روزے کی حالت میں کارثواب کرنا مزید اضافہ حسنات کا باعث ہے، اس لئے اس موسم میں معمولی نیکی بھی گرانقدر ہے خواہ مسکواک کی سنت ہی کیوں نہ ہو۔ ہرنماز کے لئے مسکواک کرنا، اذان کا انتظار کرنا بلکہ پہلے سے مسجد میں حاضر رہنا، تراویح میں پیش پیش رہنا، نیکی کی طرف دوسروں کو دعوت دینا، دروس ومحاضرات کا اہتمام کرنا، منکرات کے خلاف مہم جوئی کرنا اور صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے جدوجہد کرنا سبھی ہمارے خاکے کا حصہ ہوں۔

(5) بہتر تبدیلی

استقبال رمضان کے لئے خود کو مکمل تیار کریں، نیکی کا

جذبہ وافر مقدار میں ہو اور اپنے اندر اچھائی کے تئیں ابھی سے ہی بدلاؤ نظر آئے۔ پہلے سے زیادہ سچائی اور نیکی کی راہ اختیار کرے۔ رمضان چونکہ رمضان ہے اس لئے اس سے قبل ہی بہتری کا اظہار شروع ہو جائے۔ تقوی کے اسباب اپنائے اور خود کو متقی انسان بنانے پہ عبادت کے ذریعہ جہد کرنے کا مخلصانہ جذبہ بیدار کرے۔ یہاں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ اپنے اندر بہتری پیدا کرنے کی خوبی اور خاصہ صرف رمضان کے لئے نہیں بلکہ سال بھر کے لئے پیدا کرے۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو رمضان کے نمازی ہوا کرتے ہیں اور رمضان رخصت ہوتے ہی نماز سے بلکہ یہ کہیں اللہ سے ہی غافل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ابھی سے ہی یہ فکر رہے کہ اچھائی کے لئے بدلاؤ مہینہ بھر کے لئے نہیں سال بھر بلکہ زندگی بھر کے لئے ہو۔ اسی طرح کا بدلاؤ رمضان کے سارے اعمال کو اللہ کے حضور شرف قبولیت سے نوازے گا اور آپ کی اخروی زندگی کو بہتر سے بہتر کرے گا۔

آخری پیغام

رمضان کے استقبال کے لئے کوئی خاص دعا، خاص عبادت وروزہ یا کوئی مخصوص ومتعین طریقہ شریعت میں وارد نہیں ہوا ہے۔ حدیث میں رمضان کے استقبال میں ایک دو دن پہلے کا روزہ رکھنا منع ہے۔ لہذا دین میں کسی طرح کی بدعت کے ارتکاب سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

اللہ تعالی ہمیں رمضان کا بہترین استقبال کرنے، اس مہینے سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرے اور رمضان میں بکثرت اعمال صالحہ انجام دینے کی توفیق دے اور ان اعمال کو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

●●●

نصیحت

بچوں کو دین وسنت کے رنگ میں ایسا رنگو کہ ان پر ماحول کا اثر نہ پڑے اور سبیل کے شربت اور شب برات کے حلوے، دیوالی کی مٹھائیاں اور اس قسم کے بدعتی اور مشرکانہ کھانوں سے پوری نفرت پیدا ہو جائے اور وہ اس کو شیطانی کھانا یقین کرنے لگیں۔ والدین لائق اور سچے متبع سنت ہوں۔ غافل اور مداہن نہ ہوں تو بچوں کا ایسا ہو جانا بالکل آسان ہے۔ نیز کیا یہ بچے بغیر حلوے کے خوش نہیں ہو سکتے اور کیا ان کو ہر حال میں خوش کرنا ضروری ہے؟ خواہ وہ کیسی ہی مکروہ اور مضر چیز کیوں نہ مانگیں!! اور اس کے لیے ضد کریں سوچو اور غور کرو۔ حیلہ جوئی اور مداہنت دین کو برباد کر ڈالتی ہے۔

(فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری ۱/۱۵۹-۱۶۰)

اسلام میں دہشت گردی کا کوئی تصور نہیں

ازقلم: عبیداللہ بن شفیق الرحمٰن اعظمی محمدی مہسلہ

دشمنانِ اسلام ہر جگہ یہی رٹ لگائے رہتے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے، مسلمان دہشت گرد ہے۔ ہر دہشت گردانہ حملے میں مسلمان کا ہاتھ ہوتا ہے، بنابریں بعض لوگ ایسے موقع پر احمقانہ گفتگو کرتے ہیں اور عداوت میں انصاف کے پیمانہ کو فراموش کر کے الزام تراشی اور بہتان بازی پر اتر آتے ہیں اور سطحی گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ مذہب اسلام پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ ٹھیک ہے بعض فسادات میں مسلمان ملوث تھے اور پکڑے بھی جاتے ہیں، اس لیے مسلمان دہشت گرد ہوتا ہے، لیکن یہ کتنی بے تکی بات ہے، کیونکہ یہ بھی سچ ہے کہ بہت سارے فسادات میں غیر مسلم بھی پیش پیش رہے ہیں۔ جب مسلم ہو تو وہ دہشت گرد اور اگر وہ اپنی برداری اور مذہب سے ہو تو وہ فسادی نہیں ہے، یہ کونسا انصاف ہے۔

قارئین کرام! مذہب اسلام پر دہشت گردی کا لیبل لگانے والا بہت بڑا احمق اور بدھو شخص ہے، اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ہے، پھر اسلام پر دہشتگردی کا الزام دینا انتہائی حیرت اور دکھ کی بات ہے، اس لیے کہ اس روئے زمین پر اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے فتنہ وفساد، قتل وغارت گری اور دہشت گردی سے بڑی سختی سے منع کیا ہے اور قاتل کے لیے بڑی دردناک سزا سنائی ہے۔ وہ قتل کے بدلے قتل جسے اسلامی شریعت میں قصاص کہا گیا ہے، اور اگر مقتول کے ورثاء قصاص نہ لیتے ہوئے دیت پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو سو اونٹ بطور جرمانہ اور کفارہ دینا پڑے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں دیت کہا جاتا ہے، اب سوچو جو مذہب قتل کے متعلق اتنا سخت موقف رکھے اور واضح قانون پیش کرے تو وہ دہشت گرد کیسے ہوسکتا ہے؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ کہیں کوئی مسلمان مجرم ہو، ظالم ہو، دہشت گرد ہو، قاتل ہو، زانی ہو، ڈاکو ہو، یہ اس کی شرارت اور بغاوت ہے، یہ اس کا شر ہے، ظلم ہے، اسلام اس سے بری ہے، وہ مسلمان ظالم ہے، اور ظالم کے ظلم سے اسلام بدنام نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ آدمی بدنام ہوتا ہے، ورنہ پھر اس طرح تو ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں کیا محض کسی مجرم کی وجہ سے مذہب بدنام کیا جاسکتا ہے، قطعاً نہیں۔

اسلام دین رحمت ہے، دین عدل ہے، اسلام سلامتی کا دین ہے، امن کا دین ہے، اس کی روشن اور چمکتی دلیل یہ ہے کہ ہزاروں دشمنیوں اور مخالفتوں کے باوجود مذہب اسلام پوری دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ہے، اس دین اسلام کے اسٹیج پر آپ کو ہر مذہب سے کنورٹ ہو کر دین اسلام قبول کرنے والے ملیں گے۔ اگر اسلام دہشت گرد ہوتا تو دین نہ پھیلتا۔ لوگ اپنے مذہب سے بیزار ہو کر اسلام قبول نہ کرتے اور اگر اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا تو دنیا میں صرف مسلمانوں کی حکمرانی ہوتی، مگر آپ دنیا دیکھ لو، ہر ملک میں مسلمان ہر ناحیے سے کمزور اور پسماندہ ہے، اللہ ہمیں نیک سمجھ دے، ہمیں ہمیشہ انصاف اور حق کا ترجمان بنائے آمین۔●

جمال سخن

ڈاکٹر محمد اسلم مبارک پوری

''جمال سخن''ایک عارف سخن کا شعری مجموعہ ہے جس میں بکھرے ہوئے خیالات وافکار کو بحور واوزان کی لڑی میں بڑی ہنرمندی اور سلیقہ مندی سے پرو دیا گیا ہے۔ کتاب کی صفحہ گردانی نے اس خیال کو تقویت دی ہے کہ شعر وادب وقت کی بندگی کا نام نہیں ہے، البتہ مرور ایام، لیل ونہار کی گردشوں کا عکس شاعرانہ تخیل اور ادیبانہ تجمل میں ضرور جھلملاتا ہے۔ دراصل شعروشاعری ضمیر کی آواز کا وہ حسین نغمہ ہے جو واقعات وخیالات، فوائد وجمالیات، طبع اخاذ کی ہمسیات کو اظہار وبیان کے پیرایہ میں دوسروں تک منتقل کرتا ہے۔ زبان کی لطافت، اسلوب کی جاذبیت، بیان کی رعنائی، تعبیر کی دل کشی، بندش کی پختگی اور کلام میں تفنن اس کا مرکزی محور ہیں۔ یہ انسانی ذوق کی پاکیزگی اور ظرافت کا آئینہ دار، طبیعت کی روانی کی علامت اور جمالیاتی احساسات کے اظہار کا مؤثر ذریعہ ہے جو اثر وتاثیر، جذب وکشش کی ایسی بے پناہ صلاحتیں رکھتا ہے کہ احساس وشعور کی ساری قوتیں اس کے حسن ادا سے مسحور ہوکر دم بخود رہ جاتی ہیں۔ شعروشاعری کا یہ فن اپنے مزاج کی وسعت وہمہ گیری کے سبب کسی قوم، قبیلے، مذہب، علاقے، ملک اور زبان کے ساتھ مخصوص نہ رہا، بلکہ اس کی سحر انگیزی اور سحر طرازی نے روئے زمین کی ساری قوموں، ملکوں اور زبانوں کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔

یہ شعری مجموعہ اشعار کی متعدد اصناف پر نیچرل اور فطری انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ ایسا خیال آتا ہے کہ فکرِ شعری کا مرکزی محور تو غزل ہے اور شاعری کی مٹی میں عین شین قاف کے خوشنما پھول ہی اگتے ہیں، مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجموعہ کے آغاز میں شمع توحید کی روشنی، عقیدے کی پختگی، اسلامی جذبات اور مذہبی خیالات کو پیش کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔ غزلوں میں تشبیب وتغزل کے ساتھ عصری مسائل اور قومی وملی درد وکرب کا اظہار کیا ہے۔ الفاظ میں سادگی اور ارتجال وبرجستگی نے پختہ شعوری کا درک فراہم کیا ہے۔ خیالات وافکار کو متعلقات کے ساتھ شعری پیرہن دینے میں اپنی خوش ذوقی اور زبان وبیان پر قدرت ومہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اسی لیے اشعار میں پختگی اور خود اعتمادی ہے۔ افکار وخیالات کی رعنائیاں، الفاظ واستعارات کی شادابیاں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اسلوب سخن پر مکمل دسترس اور بہترین دست گاہ ہے۔ ان کے علاوہ طنز وتنقید سے بھی کلام کو مزین کیا گیا ہے۔ فرقہ پرستی، دہشت گردی، وحشت وعداوت اور نفرت

ونفور کو ترک کرکے اخلاص ومحبت، اتحادو یکجہتی، امن وآشتی اور عدل وانصاف کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو روشن کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ مجموعہ شاعری کی قدیم وجدید دونوں طریقوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آیئے اس کے چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

مجھ کو رکھنا تھا زمانہ میں محبت کا بھرم
کرکے وعدہ مَیں کوئی تجھ سے مکرتا کیسے
خار پھولوں کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں
غم نہ ہوتے تو میرا عشق نکھرتا کیسے
زندگی خواب تھی اس واسطے مر مر کے جیا
موت برحق تھی تو پھر موت سے ڈرتا کیسے
مٹے گی زمانے سے فرقہ پرستی
جو ہم متحد پھر سے یک بار ہوں گے
ایک مدت سے ہے تاریک میرا خانہ دل
بن کے آ جاؤ کسی روز اجالوں کی طرح
ایسے تم چشم حقارت سے نہ دیکھو ہم کو
ہم نے چاہا ہے تمہیں چاہنے والوں کی طرح

شاعر سماج اور معاشرہ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس حوالہ سے عارف اعظمی نے آج کے ماحول پر بڑے لطیف انداز میں گفتگو کی ہے اور گنگ وجمن کی اس تہذیب کے فقدان پر ماتم کناں ہیں جو سرزمین ہند کی مٹی میں رچی بسی تھی اور جس میں انسانیت اور بھائی چارگی کے خوشنما پھول اگتے تھے۔

مسلک انسانیت کا جن پہ تھا دار و مدار
سوچتا ہوں دور حاضر میں وہ رشتے کیا ہوئے
کیسی وحشت چھا گئی فرقہ پرستی کے سبب
کھیلنے والے میرے آنگن کے بچے کیا ہوئے
ہر گھڑی ہم پہ جفاؤں کی جو بوچھار گرے
ایسی سرکار پہ لازم ہے کہ تلوار گرے
جس حکومت میں کوئی عدل کا معیار نہ ہو
کیوں نہ چاہیں گے سبھی جلد وہ سرکار گرے

یہ مجموعہ جناب عارف اعظمی صاحب کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ عارف صاحب خوش دل اور مرنجا مرنج شخصیت کے مالک ہیں۔ خوش اخلاق اور ملنسار ہیں۔ اخلاص اور محبت سے ملتے ہیں۔ شاعرانہ مزاج، ادبی شعور کی بالیدگی، فنی باریکیوں کی آگہی کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اثر آفرینی اور دل آویزی ان کے کلام کا خاصہ ہے۔ سلاست وروانی، استعارہ وکنایہ اور برمحل محاوروں کا استعمال ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ جو بات کرتے ہیں وہ صاف اور واضح ہوا کرتی ہے۔ ابہام کی پیچیدگی کو در نہیں آنے دیتے۔ جو کچھ لکھتے ہیں وہ ان کی ذاتی سوچ اور فکر ہوا کرتی ہے۔ درس وتدریس سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ان کی فکر ارتقائی ہے۔ کچھ نیا کرنے کی تلاش اور جستجو کے لیے افکار کی وادیوں میں گم رہتے ہیں۔

موضع لوہیا علم وادب کی معروف بستی مبارک پور کا

ایک گاؤں ہے۔یہی آپ کا مرز بوم بھی ہے۔فیض قدرت نے مبارک پور اور اس کے اطراف کی مٹی کو بڑی زرخیز بنائی ہے۔اسی مٹی کی سنہری یادوں کو عروس البلاد ممبئی میں بکھیرنے کے لیے اپنے سکون وراحت کو تج دیا۔اس شہر نگاراں میں نیر تاباں کے مانند درخشاں ہیں اور یہاں کی ادبی فضاؤں کو اپنے کلام کی خوشبو سے معطر کرتے رہتے ہیں۔

عارف اعظمی صاحب کا خاندانی پس منظر اسلامی اور دینی اقدار کا حامل رہا ہے۔والد گرامی حافظ قرآن تھے۔ بڑے بھائی جناب فاروق اعظمی علم وادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔اس خاندان کے مراسم میرے خانوادہ سے بہت اچھے رہے ہیں اور ہیں بھی۔اس عالم رنگ وبو میں جب سے میں نے آنکھیں کھولی ہیں، ان کے نام سے آشنا ہوں اور اپنے گھر کی چہار دیواریوں میں ان کے نام کی گونج سنتا رہتا ہوں۔

شعری مجموعہ جمال سخن"زیور طباعت سے مزین ہوکر ادب شناس اور علم نواز افراد کے روبرو ہے۔اردو ادب کے گلستاں کو سنوارنے میں اس کی افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔مجھے امید ہے کہ اہل ذوق حضرات کی پذیرائی ان کو حوصلہ دے گی اور اردو ادب کے سمندر میں غواصی سے نئے مجموعہ کو منظر عام پر لانے کے لیے معاون ہوگی۔اللہ تعالی ہم سب کا حامی اور ناصر ہو۔

●●●

جنرل معلومات

- دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی مراکش میں ہے۔
- دنیا کا سب سے وزنی پھول انگلینڈ میں پایا جاتا ہے۔
- اردو کی پہلی یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ہے۔
- اردو زبان کے سب سے پہلے ادیب میر امن دہلوی ہیں۔
- اردو کے سب سے پہلے شاعر امیر خسرو دہلوی تھے۔
- اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی نذیر احمد تھے۔
- اردو کی پہلی کتاب ادبی ''سب رس'' ہے۔
- بابائے اردو مولانا عبدالحق کو کہتے ہیں۔
- ہندوستان کا نقشہ ویر چندر پٹیل نے بنایا تھا۔
- ظہیر الدین بابر کی وفات ۱۵۳۰ء میں ہوئی۔بابری مسجد اسی بادشاہ کی بنائی ہوئی ہے۔
- ہندوستان میں قومی سائنس ڈے ۲۸/فروری کو منایا جاتا ہے۔
- دنیا کی سب سے بلند ترین عمارت برج خلیفہ ہے جس کی بلندی ۸۲۸ میٹر اور اس میں ۱۶۰ منزلیں ہیں۔
- ''سبز سایے'' پاکستانی کرکٹر عبدالحفیظ کاردار کی تصنیف ہے۔
- ۱۹۹۲ء ایسا سال ہے جس میں موسم سرما اور موسم گرما کے دونوں اولمپک کھیل منعقد ہوئے۔
- امام ترمذی رحمہ اللہ کا انتقال مقام ترمذ میں ۱۳/رجب بروز دوشنبہ ۲۷۹ھ میں ہوا۔

گوشۂ طلاب:

معاشرے میں علوم اسلامیہ کے متخصصین کی ضرورت

اعجاز الحق انوار الحق
متعلم کلیۃ الحدیث سال آخر

> یہ مضمون دراصل ایک مقالہ ہے جسے کلیۃ الحدیث سال سوم یعنی سال آخر کے طالب علم اعجاز الحق انوار الحق نے بڑی کاوش سے تیار کیا ہے۔ اسے جامعہ سلفیہ کے ثقافتی پروگرام ''لجنۃ الثقافۃ'' کی چھٹی اور آخری نشست میں پیش کیا گیا، جو ۲۱/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات، محترم شیخ نعیم الدین صاحب مدنی سابق شیخ الجامعہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اللہ تعالی جامعہ کو شاداب رکھے اور طالبان علوم نبوت کو علوم شرعیہ میں فقہ وفہم کی دولت سے مالا مال کرے۔
>
> یہ تحریر ان افراد کو دعوت فکر دیتی ہے جو جامعہ کے تعلق سے بدگمانیاں پھیلاتے رہتے ہیں۔ جامعہ کا معیار تعلیم کیا ہے اور طلبہ کی کس انداز میں تربیت کی جاتی ہے اور اساتذۂ کرام طالبان علوم نبوت کی کس طرح علمی اور فکری پرورش کرتے ہیں۔ اس تحریر سے بخوبی واقف ہے۔ اللہ تعالی ہمیں صحیح فکر کی رہنمائی عطا فرمائے۔ (مبارک پوری)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

فقال الله تعالى: [إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ] (فاطر:۸۲)

اللہ تعالیٰ نے بہت ہی محکم انداز میں اس کائنات کو رچایا اور بسایا ہے، اس کائنات میں جن وانس کی خلقت فرمائی اور ان کی ہدایت ورہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر اپنے آخری رسول محمد ﷺ کے بعد رب تعالیٰ نے انبیائے کرام کے مشن کی انجام دہی کے لیے علمائے کرام کی جماعت تیار فرمائی، جن کے کندھوں پر عوام کو سیدھی راہ دکھانے کی ذمہ داری رکھی ہے اور کتاب وسنت کی توضیح وتفسیر اور دعوت وارشاد کا فریضہ عائد کیا۔ چنانچہ آج پوری دنیا کی حالت یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی سخت پیاسی ہے۔ امراض کی تشخیص اوران کے اچھے علاج کے لیے ایک ماہر ڈاکٹر سے کہیں زیادہ امت کو ایسے ماہر علماء کی ضرورت ہے جو ان کی صحیح رہنمائی کریں اور ان کا روحانی تطہیر وتزکیہ کریں۔ دین سے دوری نے ان کے چین وسکون کو سلب کرکے رکھ دیا ہے۔ وہ صحراء میں ایک پیاسے کی طرح حیران وسرگشتہ بھٹک رہے ہیں نیز دوسری طرف تماشہ یہ ہے کہ علماء سوء کی کثرت نے انہیں افراط وتفریط کی پگڈنڈیوں

پر الجھا کے رکھ دیا ہے اور ''فضلوا و أضلوا'' کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ اس لیے آج ایسے علماء کی ضرورت ہے جنہیں دینی علوم میں اختصاص حاصل ہوا اور اوپر اوپر تیرنے کے بجائے ان میں علمی تعمق اور فکر ونظر کی گہرائی وگیرائی ہو۔ کیوں کہ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کے لیے ہے اور اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے۔ وہ دین مٹ گئے، ختم ہو گئے، جنہوں نے علم کے میدان میں، فکر ونظر کے میدان میں، قیادت کے میدان میں زندہ اشخاص پیدا کرنے بند کر دیے اور زندہ اشخاص وہی ہیں جن میں اختصاص ہو کیوں کہ ''یہ دور تخصص کا ہے، ہر قوم اور ہر ادارہ کو متخصصین کی جستجو ہے۔ اگر کوئی کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی غار میں گمنام پڑا ہو اور وہ اہلیت وصلاحیت اور تخصص ومہارت سے آراستہ ہو تو دنیا اسے کھوج نکالے گی، اس لیے تقریر ہو یا تحریر، نظریاتی فنون ہوں یا تطبیقی، قدیم علوم ہوں یا جدید، شرعی علوم ہوں یا عصری، کسی بھی میدان میں اگر آپ تخصص پیدا کرلیں اور دوسروں سے نمایاں بن جائیں تو پوری قوم آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائے گی''۔

آج منکرین حدیث کی فکری انارکی اور نظریاتی انتشار اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ وہ صوم وصلاۃ، حج وزکاۃ اور عمرہ وقربانی کا مفہوم اپنے جی سے بیان کرتے ہیں اور امت کے تواتر نے ان کی جو شکل ہم تک منتقل کی ہے اس میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق ترمیم وتغیر کرنا چاہتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ احادیث نبویہ میں تشکیک پیدا کرنا اور محدثین کے سعی وجہد کو بے حیثیت قرار دینا، ان کا مشغلہ بن چکا ہے۔

اس لیے آج امت کو ایسے متخصصین کی ضرورت ہے جو منکرین حدیث اور مستشرقین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ وہ قرآن کریم کو غیر الہامی کتاب قرار دینے اور اسے کتب قدیم کا چربہ بتلا کر اس کی مقدس تعلیمات کو مضحکہ خیز اور مہمل باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں، عیسائی اور یہودی مشنریاں اسلام کو کھینچ تان کر عیسائیت اور یہودیت کی ایک ہی شکل قرار دینا چاہتی ہیں۔ معاندین اسلام تاریخی حقائق کو مسخ کرنے اور تابناک کردار نبوی کو مغربی اقدار پر پرکھنے کی از حد کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا امت کو ایسے علماء کی اشد ضرورت ہے جو ان کے ناوک افگنی کا بہترین دفاع کر سکیں۔

موضوع کا دوسرا جز ہے ''علوم اسلامیہ کے متخصصین کی ذمہ داریاں'' تو اس سلسلے میں یاد رہے کہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ہی علوم اسلامیہ کے متخصصین کی ذمہ داریاں بھی بہت بڑھ گئی ہیں۔ یہاں ''مشت نمونہ از خروارے'' کے طور پر کچھ ذمہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔عقیدہ کی مضبوطی:

موجودہ دور میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور ذلت ورسوائی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ توحید کے تقاضوں سے دور اور شرک وبدعت کے شکنجے میں گرفتار ہیں، صورت حال یہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان چاہے حاکم ہوں یا محکوم، اقلیت

میں ہوں یا اکثریت میں، ہر جگہ پریشان، بدحال اور مقہور نظر آتے ہیں کیوں کہ انہوں نے توحید کا دامن اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا ہے اور اپنے خودساختہ عقائد واعمال سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جگہ اس کے غضب کو دعوت دے رکھی ہے۔

اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات کیا ہیں اور فساد عقائد کی بنیاد کیسے پڑی؟ وہ کیا اسباب وعوامل تھے جن کی وجہ سے امت مسلمہ کا بڑا طبقہ توحید کے روشن عقیدے سے کنارہ کش ہوکر بدعت وضلالت کے تاریک غار میں جاگرا؟؟ اگر ایک غیر جانبدار ذہن سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس کی خرابی کی جڑیں بہت دور تک اور بہت گہری نظر آتی ہیں۔ مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے ان کے قدیم دشمنوں نے جو خطرناک سازشیں رچی تھیں، ان کے نتائج بہت ہی دوررس اور ہولناک ثابت ہوئے۔ لہٰذا اگر ہمارا عقیدہ مضبوط نہیں ہوگا تو عوام کو ہم یہ سب کیسے بتائیں گے؟

۲۔قرآن کریم میں تدبر وتفکر کو لازم پکڑنا:

کیوں کہ افراد وامم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی اور اس کی حکیمانہ نظم وترتیب میں مضمر ہیں۔ قرآن بنی نوع انسان کی صلاح وفلاح اور ان کے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لیے نازل ہوا ہے، لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج نسخہ ہائے قرآن اور حفاظ کی کثرت کے باوجود مسلمان جس تنزل وانحطاط میں مبتلا ہیں، اس کی بڑی وجہ مندرجات قرآن سے لاعلمی کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے اسلاف نے اسی قرآن کی برکت سے ترقی کے جو منازل طے کیے تھے تاریخ اور مورخین اس پر دہشت زدہ ہیں اور رہیں گے، باوجودیکہ ان کی تعداد کم تھی، وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے، قرآن کے نسخے بھی انہیں بسہولت میسر نہ تھے، حفاظ قرآن کی تعداد بھی نہایت محدود تھی، لیکن ان کی ترقی کا راز اس بات میں مضمر تھا کہ انہوں نے قرآن کے معانی میں غواصی کو اپنا مشغلہ بنایا، قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا اور مجالس ومساجد کو اس کی تلاوت کی سحر آفرینی سے معمور کیا۔ امت مسلمہ کے اس آخری دور کی اصلاح اسی طرح ہوسکتی ہے جیسے خیر القرون میں ہوئی تھی۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی سے رشد وہدایت کا پیام اخذ کیا جائے اور زندگی کے آداب واطوار کو اسی سانچے میں ڈھالا جائے۔ ہمارے اسلاف فرض اور نفل نمازوں خصوصاً تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے جب کہ لوگ گہری نیند سو رہے ہوتے، اس کے خوش آئند ثمرات ظہور پذیر ہوئے اور وہ بت پرستی کی پست سطح سے اٹھ کر اخلاق جلیلہ کی بلندیوں پر فائز ہوگئے۔ اخلاق وآداب میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ علوم وفنون کے یکتائے عالم بن گئے اور اس ضمن میں دنیا کی تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔

۳۔اخلاق اور حسن نیت:

اس لیے کہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص اور

حسن نیت شرط ہے۔ اگر انسان کے عمل میں اخلاص نہ ہوتو وہ عمل رائیگاں ہوکر ''ھباء منثورا'' ہوجاتا ہے اور جس عمل میں اخلاص ہوتو بندے کے لیے دنیا میں بھی نفع بخش ہوتا ہے اور آخرت میں بھی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ آج مادیت، نفس پرستی اور دولت کے حرص وہوس نے سب سے زیادہ جس عنصر کا قتل کیا ہے وہ اخلاص کا عنصر ہے، لہٰذا علماء کو چاہئے کہ وہ اپنے دعوتی مشن کو نہایت اخلاص اور لگن سے انجام دیں۔

۴۔ دلائل کے ساتھ مسائل کا استحضار ہونا چاہئے:

اس لیے کہ یہ دور تحقیق وجستجو کا ہے، زمانہ کے تغیر وتبدل کے ساتھ ہی ایک عام ذہن کا انسان بھی دینی مسائل میں تھوڑا بہت تحقیقی رجحان رکھنے لگا ہے۔ لہٰذا اسلام کے ارکان خمسہ اور ان کے مالہ وما علیہ کے دلائل آپ کو ازبر یاد ہونے چاہئیں، اسی طرح فقہ، اصول فقہ، قضایا فقہیہ معاصرہ یا بالفاظ دیگر فقہ النوازل، مقاصد الشریعہ، قواعد فقہیہ، سیاست شرعیہ اور مناہج فتیا میں آپ کو پوری دسترس ہونا چاہئے کیوں کہ ان سارے مواد پر اتقان وترکیز کے بغیر کسی دینی مسئلہ یا حکم کی توضیح وتشریح ناقص ہوگی۔

۵۔ عوام سے رابطہ بڑھائیں اور ان سے ایک مضبوط رشتہ استوار کریں:

ان کے ساتھ نہایت نرم اور مشفقانہ رویہ اختیار کریں، انہیں یہ احساس دلائیں کہ آپ ان کے خیر خواہ ہیں اور انہیں کچھ دینا اور کچھ سکھانا چاہتے ہیں نیز انہیں بتدریج دینی تعلیم سے روشناس کرائیں جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے ہوئے کہا تھا کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے لہٰذا ان کو پہلے شہادتین کے اقرار کی دعوت دینا، پھر پنجگانہ نمازوں کی ادائیگی اور دیگر حقوق کی رعایت کی۔ آپ عوام سے ایسا رویہ نہ اپنائیں کہ وہ آپ سے متوحش (خوف زدہ) ہوجائیں جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: [فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ] (آل عمران:۱۵۹)

آپ محض اللہ کی رحمت سے ان لوگوں کے لیے نرم ہوئے ہیں اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو آپ کے پاس سے چھٹ جاتے پس آپ انہیں معاف کردیجئے اور ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے اور معاملات میں ان سے مشورہ لیجئے۔ پس جب آپ پختہ ارادہ کرلیجئے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اللہ تعالی توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

۶۔ حالات اور ماحول سے بے خبری ٹھیک نہیں:

اس لیے کہ اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے اور جو گرم وسرد ہوائیں چل رہی ہیں اس سے بے خبر

ہوجائیں گے اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلیں گے تو ہم اپنے ساتھ بھی بدخواہی کریں گے اور اپنے دین کے ساتھ بھی، لہٰذا آج علماء کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ زمین پر رہتے ہوئے تحت الثری تک کی خبر رکھیں۔

۷۔زبان کی حیثیت، اسلوب بیان اور خاصۂ لسانی سے واقف ہونا ضروری ہے:

کیوں کہ زبان کا احساس، زبان کی حسیت، خاصۂ لسانی، یہ بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے، زبان ایسی چیز ہے کہ وہ معاف نہیں کرتی اور زبان کی غلطی معاف نہیں کی جاتی، اگر کہیں کوئی نقل میں غلطی ہوجائے تو تسکین دل کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ یاد سے لکھ دیا، لیکن اگر ایک لفظ بھی آپ غلط بول گئے تو تقریر پر پانی پھر جائے گا۔ اسی طرح اگر آپ نے کسی عبارت میں مرفوع کو منصوب یا کسی منصوب کو مجرور پڑھ دیا تو آپ کی پوری شخصیت دھڑام سے زمین بوس ہوجائے گی۔

۸۔اعلی اخلاقی اقدار سے آراستہ ہونا:

جہاں تک بات حسن اخلاق کی اہمیت وافادیت کی ہے تو اس کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت ہی اسی لیے ہوئی تھی کہ آپ انسانیت کو اس کے اعلی اخلاقی اقدار سے متصف کریں اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے قلوب واذہان کا تزکیہ وتنقیہ کریں اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا اپنا اخلاق وکردار تھا۔ یہی نہیں بلکہ آج پوری دنیا اگر کسی مذہب سے کسی بنا پر متاثر ہوتی ہے تو اس کے ماننے والوں کے اخلاق سے، ان کے عادات واطوار سے اور لوگوں کے ساتھ ان کے تعامل سے۔ لہٰذا علوم اسلامیہ کے حاملین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہترین اخلاق اور اچھے برتاؤ وسلوک سے متصف ہوں اور نبوی فرمان "خالق الناس بخلق حسن" (صحیح الجامع: ۹۷) کی عملی تصویر پیش کریں۔

اسی طرح ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ہمیں روز بروز اپنے مطالعہ کی ڈسک بڑھانی چاہئے، اپنے میدان کے علماء سے گاہے بہ گاہے علمی مناقشہ کرنا چاہئے اور اپنے اسلاف کی زندگی کو پڑھ کر ان کو قدوہ اور نمونہ بنانا چاہئے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنے کشت ویران سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں اسلامی علوم کی محبت جاگزیں کردے اور ہم سب کو حسن عمل کی توفیق دے، آمین۔

●●●

اخبار جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ سلفیہ کی مسجد میں علمی مجلس کا انعقاد:

مؤرخہ ۸/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶/مارچ ۲۰۱۹ء، بروز سنیچر، جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کی پرشکوہ مسجد میں ندوۃ الطلبہ کی طرف سے ایک علمی مجلس کا انعقاد ہوا، جس کی سرپرستی ناظم جامعہ مولانا عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ تعالی، اور صدارت ڈاکٹر عبدالحلیم مدنی، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس نے کی، نظامت کے فرائض کلیۃ الحدیث سال دوم کے طالب علم محمد عمر صلاح الدین نے انجام دیا۔ اس علمی مجلس کا آغاز کلیۃ الحدیث سال سوم کے طالبعلم حافظ نسیم احمد بن عبدالاحد کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد ناظم مجلس نے شیخ عبد الحسیب مدنی حفظہ اللہ استاذ کلیہ سید نذیر حسین محدث دہلوی، بنگلور کو دعوت سخن دی۔ انہوں نے ''خوارج کی نشو ونما اور عقائد'' پر بہترین انداز میں علمی خطاب کیا اور موضوع کا حق ادا کرتے ہوئے خوارج کی نشوونما اور تاریخ کے مختلف ادوار میں ان کی کارستانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا نیز موضوع کے متعلق آنے والے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا۔

ان کے خطاب کے بعد مشہور داعی شیخ ابوزید ضمیر حفظہ اللہ نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں ''مدارس اسلامیہ کے طلبہ کی ذمہ داریوں'' کو اپنے خطاب کا حصہ بنایا۔ علم شرعی کی ضرورت، اس کے حصول اور طالبان علوم نبویہ کی اہمیت وفضیلت پر کتاب وسنت سے دلائل پیش کرتے ہوئے عمدہ خطاب کیا۔ طلبہ کو ان تحدیات وچیلنجز کا مسکت اور معقول جواب دینے کی طرف توجہ مبذول کرائی جو معاندین اسلام کی طرف سے گاہے گاہے اٹھائے جاتے ہیں۔ اور محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔ شیخ ابوزید ضمیر نے ان سوالوں کا بھی بحسن وخوبی جواب دیا جو سامعین کی طرف سے پیش کیے گئے۔

دونوں خطاب کے بعد صدر مجلس ڈاکٹر عبدالحلیم مدنی کا خطاب ہوا۔ انہوں نے علمی مجلسوں اور پروگراموں کی اہمیت وافادیت پر سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کی اور دونوں حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ اس علمی مجلس کو جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور شہر بنارس سے آئے ہوئے حضرات نے زینت بخشی اور علماء کے خطاب سے مستفید ہوئے۔ واضح رہے کہ شیخ ابوزید ضمیر صاحب کا جامعہ میں یہ پہلا خطاب نہ تھا بلکہ اس سے قبل بھی ان کے خطاب سے طلبہ مستفیض ہوئے ہیں اور جامعہ کے در ودیوار ان سے مانوس رہے ہیں۔ رہی بات شیخ عبدالحسیب مدنی کی تو جامعہ میں ان کی پہلی آمد تھی۔ بنابریں ان کا خطاب سننے کے لیے بڑا جوش وخروش تھا۔ شیخ موصوف ایک اچھے استاد اور بہترین مربی ومعلم ہیں۔ ملنسار، خوش خلق

اورظریف الطبع ہیں، نیز کرکٹ کے بہترین کھلاڑی ہیں۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کھیل کے میدان میں راقم الحروف ان سے متعارف رہا ہے۔ اللہ تعالی علمائے اہل حدیث کی حفاظت فرمائے اور مسلک اہل حدیث کا بے باک ترجمان بنائے،آمین۔(محمد اسلم مبارک پوری)

مسابقہ حفظ حدیث:

۲۸/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات، جامعہ سلفیہ کے تمام طلبہ کے مابین حفظ حدیث کا ایک انعامی مسابقہ منعقد ہوا، جس میں ۲۱۶ طلبہ نے شرکت کی۔اس مسابقہ کے متعلق طلبہ میں کافی ولولہ اور جوش وخروش تھا۔وقت کا ضیاع کیے بغیر اچھے نمبروں سے کامیاب ہونے کے لیے کافی محنت ومشاقت کی۔

اس مسابقہ کے لیے پانچ رکنی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جس نے صواب دید سے علامہ عبدالواحد مقدسی (وفات ۶۰۰ھ) رحمہ اللہ کی کتاب ''عمدۃ الاحکام'' سے ایک سو احادیث منتخب کیا اور اسے مذکرہ کی شکل دی جو حفظ کے لیے مطلوب تھا۔

اس طرح کے پروگرام سے طلبہ میں علمی بیداری آتی ہے اور ان کی نشاطات وجہود دو چند ہوجاتی ہیں۔امید ہے کہ آئندہ اس کو مزید وسعت دیتے ہوئے دیگر علمی مواد کی جگہ دی جائے گی اور غور خوض کے بعد حتمی شکل دی جائے گی تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبہ ان پروگراموں سے مستفید ہوسکیں۔اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع کی توفیق بخشے۔

جامعہ میں سالانہ امتحان:

جامعہ سلفیہ میں تعلیمی ۲۰۱۸۔ ۲۰۱۹ء کا سالانہ امتحان الحمد للہ مؤرخہ ۸/ اپریل ۲۰۱۹ء بروز سوموار آغاز ہوگا اور بروز اتوار ۲۱/ پریل ۲۰۱۹ء جاری رہے گا۔ یہ اطلاع لجنۃ الاختبارات کے مدیر شیخ سعید میسور مدنی نے دی۔ امتحان دونشستوں میں ہوگا۔ پہلی نشست صبح ۷ تا ۹:۳۰ تک، اور دوسری نشست دس بجے سے شروع ہوکر ۱۲:۳۰ تک جاری رہے گی۔حسب سابق ملحق مدارس کے طلبہ بھی جامعہ میں آکر امتحان دیں گے۔ امتحان دینے والے طلبہ کی مجموعی تعداد (۱۱۱۸) ہے۔

ضروری اعلان:

محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کی طلب پر ۹/ مارچ ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ، بعد نماز مغرب ''غرفۃ الاساتذۃ'' میں ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں محترم ناظم اعلی وشیخ الجامعہ اور فیملی کوارٹر وہاسٹل میں مقیم اساتذہ کرام حفظہم اللہ نے شرکت کی۔میٹنگ میں طلبۂ جامعہ کے اخلاق وکردار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے باہم مشورہ کیا گیا اور کافی غور خوض کے بعد متفقہ طور پر درج ذیل امور طے پائے:

۱۔ جامعہ کے نظام کی پابندی ضروری ہے۔ اس لیے سب کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۲۔ اساتذہ کرام طلبہ کے اخلاق کو بہتر بنانے کے لیے پورا تعاون کریں گے۔

۳۔ جامعہ کے طلبہ بھی اساتذہ کرام کے ساتھ پورا تعاون کریں۔ جو ہدایات دی جائیں ان پر عمل کریں۔ خلاف ورزی کرنے والے طالب علم کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

۴۔ جملہ اساتذہ کرام کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی وقت سکن کے کمرہ کے سامان یا ہاسٹل میں رہنے والے طلبہ کی تلاشی لے سکتے ہیں اور دو استاد کا دستخط کارروائی کے لیے کافی مانا جائے گا۔

۵۔ طلبہ پر لازم ہے کہ وہ استاد کا احترام ملحوظ رکھیں۔ تلاشی کے وقت ان کے ساتھ مکمل تعاون کریں۔

۶۔ اگر کوئی طالب علم بھاگنے یا چھپنے کی کوشش کرے گا یا استاد کی بات نہیں مانے گا تو اس کے خلاف استاد کی رپورٹ فائنل مانی جائے گی اور طالب علم کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں ایسے طالب سے ڈبل جرمانہ لیا جائے گا، نیز اس کا اخراج بھی ہوسکتا ہے۔

۷۔ طلبہ اچھے اخلاق کے عادی بنیں۔ صفائی کا خیال رکھیں اور اپنی وضع قطع کو اسلامی شعائر کے مطابق بنائیں۔

۸۔ نماز میں ننگے سر نہ آئیں۔ کلاس وامتحان ودیگر پروگراموں میں یونیفارم میں رہنا لازم ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں جرمانہ دینا ہوگا۔

۹۔ ہاسٹل میں پریس وہیٹر رکھنا منع ہے۔ اگر کسی کے پاس ملے گا تو تین ہزار روپیہ ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اور اس کو ضبط کرلیا جائے گا۔ کپڑوں پر پریس کے لیے جامعہ میں دھوبی ہے جو بازار سے آدھے ریٹ پر پریس کرتا ہے اسی سے اپنے کپڑوں پر پریس کرائیں۔

۱۰۔ ہاسٹل کی بجلی وپنکھا کمرہ سے نکلتے وقت بند کردیں۔ اگر خالی کمرہ میں یہ جلتے ہوئے پائے گئے تو کمرہ میں رہنے والوں پر پانچ سو روپیہ جرمانہ عائد ہوگا۔

۱۱۔ جامعہ کی بجلی فیٹنگ کو خراب نہ کریں۔ اگر کسی کمرہ میں خود سے لائن جوڑی ہوئی پائی گئی تو کمرہ والوں پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ لگے گا۔

۱۲۔ اگر کوئی طالب علم "Table Fan" ٹیبل پنکھا رکھنا چاہتا ہے تو اس کو پانچ سو ماہانہ بجلی خرچہ ادا کرنا ہوگا یا سالانہ پچیس سو روپیہ یکمشت جمع کرنا ہوگا۔ جمع کی ہوئی رقم کی رسید ہی اس کے لیے اجازت نامہ ہوگا۔

۱۳۔ سکن میں رہنے والے طلبہ اپنے کمروں کی صفائی خود کریں۔ جو کوڑا نکلے اس کو پالیتھین یا جھولا میں بند کرکے صبح کے وقت کمرہ کے باہر رکھ دیں تاکہ صفائی کرنے والے اس کو اٹھالیں۔ دیگر اوقات میں نہ رکھیں۔ حسب ضرورت کمرہ کی دھلائی کریں یا پوچھا لگائیں۔ جو کمرہ گندہ پایا جائے گا تو اس پر پانچ سو روپیہ جرمانہ لگے گا۔

۱۴۔ جس طالب علم کے خلاف یا کمرہ کے خلاف رپورٹ ہوگی۔ وہ دفتر شؤون الطلاب میں جمع ہوگی اور نوٹس بورڈ پر اس کو آویزاں کردیا جائے گا اور شرائط کے مطابق اس پر عمل کرنا لازمی ہوگا۔ اگر کسی طالب علم پر کچھ بقایا ہوگا تو وہ امتحان میں بیٹھنے کا مجاز نہیں ہوگا۔

۱۵۔ اساتذہ کرام یا دفتر والوں سے بدسلوکی کرنے والے طالب علم کا جامعہ سے اخراج کردیا جائے گا۔●

ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں حفظ حدیث کا نتیجہ اور تمام پروگراموں میں کامیاب ہونے والے طلبہ کی تفصیلی رپورٹ شائع کی جائے گی۔

باب الفتاوی

سوال: بوجہ علالت خالد کا بیس روزہ باقی ہے۔اب بالکل تندرست ہے۔خالد کا خیال ہے کہ شعبان ہی میں روزے رکھ لوں گا مگر عمر نے فتوی دیا کہ روزے مت رکھا کرو اس کے بجائے بیس مسکین کو کھانا کھلادو۔کیا ایسی صورت میں روزہ رکھنے سے روزہ ہوجائے گا؟

جواب: قرآن میں ہے: [فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ] (البقرۃ: ۱۸۴) جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو اتنی مدت دوسرے دنوں میں رکھے۔

قرآن کی اس آیت میں اللہ تعالی نے اس کے روزے کا وقت دوسرے دنوں میں بتایا ہے۔اسی طرح قرآن کی یہ آیت ہے: [وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ] (البقرۃ: ۱۸۴) جو لوگ طاقت نہ رکھیں انہیں فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد اب تندرست ہے اور روزہ رکھنے کی اب طاقت رکھتا ہے ایسی صورت میں اگر وہ کھانا کھلائے گا تو آیت [يُطِيقُونَهُ] کے معنی کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔اسی طرح پہلی آیت [فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ] کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔پس کھانا کھلانا اس کی طرف سے درست نہیں ہوگا بلکہ اسے روزہ رکھنا ضروری ہوگا۔خالد کا روزہ رکھنا ضروری ہے [فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ] روزہ رکھنے ہی کو لازم قرار دیتا ہے فقط۔

سوال: رمضان المبارک میں لوگوں کو سحری کے وقت اٹھانے کیلئے جو اذان دی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے دو مؤذن تھے۔حضرت بلال اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم۔حضرت بلال سحری کی اذان دیتے تھے اور ابن ام مکتوم نماز فجر کی۔اس کے متعلق روایت ہے کہ **عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: إن بلالا ینادی بلیل فکلوا و اشربوا حتی ینادی ابن أم مکتوم. قال: و کان ابن ام مکتوم رجلا أعمی لا ینادی حتی یقال له: أصبحت أصبحت** (بخاری: ۶۱۷، مسلم: ۱۰۹۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے ہیں تو کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دینے لگیں۔عبداللہ بن ام مکتوم نابینا آدمی ہیں۔اس وقت تک اذان نہیں دیتے ہیں جب تک کہ ان سے یہ نہ کہا جائے کہ آپ نے صبح کردی۔آپ نے صبح کردی۔

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا یغرنکم من سحورکم أذان بلال و لا بیاض الأفق المستطیل ولکن الفجر المستطیر فی

الأفق. (مسلم: ۱۰۹۴) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں بلال کی اذان اور افق پر ستون کے مانند ظاہر ہونے والی سپیدی (صبح کاذب) سحری کھانے سے باز نہ رکھے یہاں تک کہ ایسی فجر طلوع ہوجائے جو افق پر پھیل جائے۔

سوال: اختتام سحری کے ساتھ ہی نماز فجر کی اذان دے دی جائے، اس کی بابت حدیث شریف؟

جواب: عن عائشة أن بلالاً كان يؤذن بليل، فقال رسول الله: كلوا واشربوا حتى يؤذن ابن أم مكتوم فإنه لايؤذن حتى يطلع الفجر. قال القاسم: ولم يكن بين أذانهما إلا أن يرقى ذا وينزل ذا. (بخاری: ۱۹۱۸، ۱۹۱۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ رات میں اذان دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تب کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ وہ طلوع فجر کے بعد ہی اذان دیتے ہیں۔ قاسم بن محمد نے کہا: ان دونوں کی اذان میں کچھ بھی وقفہ نہیں ہوتا تھا سوائے اس کے کہ ایک چڑھیں اور دوسرے اتریں۔

عن زيد بن ثابت قال تسحرنا مع رسول الله ﷺ ثم قام إلى الصلوة قلت: كم كان بين الأذان والسحور؟ قال: قدر خمسين آية (بخاری: ۱۹۲۱)

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کرتے تھے۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ میں نے عرض کیا کہ اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ رہتا تھا۔ فرمایا: پچاس آیت (پڑھنے) کی مقدار۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سحری اور فجر کی اذانوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ ایک مؤذن سحری کی اذان دے کر چھت سے اتر تا رہتا تھا اور دوسرا فجر کی اذان دینے کے لئے چھت پر چڑھتا رہتا تھا، دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اذان اور سحری کے درمیان پچاس آیت پڑھنے بھر فرق رہتا تھا۔

سوال: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر عورت کو نفل روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہمارے شہر میں ایک شخص نے اپنی عورت کو رمضان شریف کے فرض روزے رکھنے سے منع کیا۔ ایسی حالت میں عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نفلی روزے کے بارے میں جو آپ نے ذکر کی وہ اپنی جگہ صحیح ہے۔ جس شخص نے اپنی بیوی کو رمضان کے روزے سے منع کیا، اس نے غلط کیا۔ اگر عورت صحت مند ہے اور حمل سے نہیں ہے تو اسے اپنے شوہر کی نافرمانی کر کے اللہ کے حکم کو ماننا چاہئے اس لئے کہ حکم ہے کہ "**لاطاعة لمخلوق في معصية الله**" (مسند احمد: ۱۰۹۵، یہ حدیث صحیح ہے) اللہ کی نافرمانی کی بات میں کسی کی اطاعت درست نہیں ہے۔

قرآن میں رمضان کے روزوں کے بارے میں ہے: [فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ] (البقرة: ۱۸۵) تم میں سے جو اس مہینہ (رمضان) میں حاضر ہو، اسے روزہ رکھنا چاہئے۔

اس لئے اگر شوہر کی بات مانتی ہے تو اللہ تعالی کی نافرمانی ہوتی ہے اس لئے اس کو شوہر کی بات سے انکار کردینا چاہئے۔

●●●